

ڈال دیے۔

قتیبہ بن مسلم میدان خالی دیکھ کر آگے بڑھا۔ شہر کے دروازے پر پہنچ کر گھوڑے سے اُترا اور بارگاہِ الہی میں سر بسجود ہو گیا۔ نعیم نے اندر سے خندق کا پل ڈال دینے کا حکم دیا اور دقح اور حریم کو ساتھ لے کر بہادر سپہ سالار کے استقبال کے لیے آگے بڑھا۔ قتیبہ بن مسلم فرطِ انبساط سے ان تینوں مجاہدوں کے ساتھ باری باری بغل گیر ہوا۔

زخمیوں کی مرہم پٹی اور شہدا کی تجھیز و تکھین کے بعد مالِ غنیمت اکٹھا کیا گیا اور اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں روانہ کر کے باقی فوج میں تقسیم کیا گیا۔

بخارا کی فتح کے بعد قتیبہ بن مسلم کے ساتھ ساتھ نعیم کے نام کا بھی چرچا ہونے لگا۔

اس کے دل کے پُرانے زخم آہستہ آہستہ مٹ چکے تھے اور اس کے بلند منصوبے لطیف خیالات کو شکست دے چکے تھے۔ ان حالات میں اس کے لیے تلوار کی جھنکار جنسِ لطیف کی سہانی راگنی سے زیادہ دلکش ہوتی گئی اور بھائی اور عذرا کی خوشی کا تصور اپنی خوشی سے زیادہ محبوب نظر آنے لگا۔ اس کی دُعا میں زیادہ تر ان ہی کے لیے ہوتیں۔

جب کبھی تھوڑی دیر فرصت ملنے پر اسے سوچنے کا موقع ملتا تو اسے خیال آتا:

شاید بھائی نے عذرا کو بتا دیا ہو گا کہ میں زندہ ہوں۔ شاید وہ اس وقت میرے متعلق باتیں کرتے ہوں گے۔ عذرا کو شاید یقین آ گیا ہو کہ میں کسی اور پرندا ہو چکا ہوں۔ وہ مجھے دل میں کوستی ہوگی۔ اب شاید مجھے بھول گئی ہو۔ ہاں مجھے بھول جانا ہی

اچھا ہے! ان خیالات کا خاتمہ پر خلوص دعاؤں کے ساتھ ہوتا۔

تین سال اور گزر گئے۔ قتیبہ کی افواج فتح و نصرت کے پرچم اُڑاتی ہوئی  
ترکستان کی چاروں اطراف میں پھیل رہی تھیں۔ نعیم ایک غیر معمولی شہرت کا مال  
بن چکا تھا۔ قتیبہ نے ایک خط دربار خلافت میں لکھتے ہوئے نعیم کے متعلق تحریر میں  
اس نوجوان پر اپنی فتوحات سے زیادہ ناز کرتا ہوں۔

(۲)

۹۱ھ میں ترکستان کے بہت سے ممالک میں بغاوت کی آگ کے شعلے بلدن  
ہوئے، اس آگ کو سلا کر دُور سے تماشا دیکھنے والا وہی ابن صادق تھا جس کی  
شخصیت سے ہم کئی بار متعارف ہو چکے ہیں۔ ابن صادق کو نعیم کے رہا ہو جانے کے  
بعد اپنی جان کی فکر دامن گیر ہوئی۔ قلعہ چھوڑ کر بھاگا۔ راستے میں بد نصیب بھتیجی ملی  
لیکن اس نے چچا کی قید پر موت کو ترجیح دی۔

ابن صادق کو اب اپنی جان کا خطرہ تھا۔ اس نے اپنے عقیدت مندوں کے  
ساتھ ترکستان کا رُخ کیا۔ وہاں پہنچ کر وہ اپنی منتشر جماعت کو منظم کرتا رہا اور کچھ  
تقویت حاصل کرنے کے بعد ترکستان کے شکست خوردہ شہزادوں کو مسلمانوں کے  
خلاف منظم کر کے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کی ترغیب دینے لگا۔

نزاق نامی ایک شخص ترکستان کے نہایت با اثر افراد میں سے تھا۔ ابن صادق  
نے اس سے ملاقات کی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ نزاق پہلے ہی بغاوت  
پھیلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے ابن صادق جیسے مشیر کی ضرورت تھی۔ فطرتاً  
دونوں ایک ہی جیسے تھے۔ نزاق کو ترکستان کا بادشاہ بننے کی ہوس تھی اور ابن صادق

نہ صرف ترکستان بلکہ تمام اسلامی دنیا میں اپنے نام کی شہرت چاہتا تھا۔ نزاق نے وعدہ کیا کہ اگر وہ ترکستان پر قابض ہو گیا تو اسے اپنا وزیر اعظم بنالے گا اور ابن صادق نے اسے کامیابی کی امید دلائی۔

ترکستان کے باشندے قبیہ کے نام سے کانپتے تھے اور بغاوت کے نام سے گھبراتے تھے لیکن ابن صادق کی چکنی چڑی باتیں بے اثر ثابت نہ ہوئیں، ہو جس کے پاس جاتا یہ کہتا، تمہارا ملک تمہارے واسطے ہے۔ کسی غیر کا اس پر کوئی حق نہیں۔ ایک عقل مند کسی غیر کی حکومت گوارا نہیں کر سکتا۔ اب صادق اور نزاق کی کوششوں سے ترکستان کے بہت سے سرکردہ شہزادے اور سردار دریائے جیحون کے کنارے ایک پرانے قلعہ میں اکٹھے ہوئے۔ اس اجتماع میں نزاق نے ایک لمبی چوڑی تقریر کی۔ نزاق کی تقریر کے بعد ایک طویل بحث ہوئی اور اس بحث میں چند عمر رسیدہ سرداروں نے مسلمانوں کی پُر امن حکومت کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کرنے کی مخالفت کی۔ ابن صادق نے اس موقع کی نزاکت کو محسوس کیا اور نزاق کے کان میں کچھ کہا۔

نزاق اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہوا اور بولا۔ عزیزانِ وطن! مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ میں اپنے اسلاف کا خون باقی نہیں۔ اس وقت ہمارا ایک معزز مہمان جسے آپ سے صرف اس لیے ہمدردی ہے کہ آپ غلام ہیں۔ آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ نزاق یہ کہہ کر بیٹھ گیا ابن صادق نے اُٹھ کر تقریر کی۔ اس تقریر میں پہلے تو اس نے مسلمانوں کے خلاف جس قدر نفرت کا اظہار کر سکتا تھا کیا۔ اس کے بعد اس نے بتایا کہ حاکم کو قوم شروع شروع میں محکوم قوم کو غفلت کی نیند سلانے کے لیے تشدد سے کام نہیں لیتی۔ لیکن جب محکوم آرام کی زندگی کے عادی ہو کر

بہادری کے جوہر سے محروم ہو جاتے ہیں تو حاکم بھی اپنا طرز عمل بدل لیتے ہیں۔ ابن صادق نے ترک سرداروں کو متاثر ہوتے دیکھ کر ہرجوش آواز میں کہا۔ مسلمانوں کی موجودہ نرمی سے یہ نتیجہ نہ نکالو کہ وہ ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔ عنقریب یہ لوگ تم پر ایسے مظالم توڑیں گے جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے میں بھی مسلمان تھا لیکن اب یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ ملک گیری کی ہوس میں دنیا بھر کی آزاد قوموں کو غلام بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ آپ ان لوگوں کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ یہ لوگ دولت چاہتے ہیں اور عنقریب تم دیکھو گے کہ تمہارے ملک میں ایک کوڑی تک نہ چھوڑیں گے اور فقط یہی نہیں۔ تم یہ دیکھو گے کہ تمہاری بہو بیٹیاں شام اور عرب کے بازاروں میں فروخت ہوا کریں گی! ابن صادق کے ان الفاظ سے متاثر ہو کر تمام سردار ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

ایک بوڑھے سردار نے اٹھ کر کہا۔ ہمیں تمہاری باتوں سے فساد کی بو آتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم خود بھی مسلمانوں کی غلامی کو برا خیال کرتے ہیں لیکن ہمیں اپنے دشمن کے متعلق بھی جھوٹی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایک بہتان ہے کہ مسلمان محکوم قوم کے عزت اور دولت کی حفاظت نہیں کرتے۔ میں نے ایران جا کر دیکھا ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کی حکومت میں اپنی حکومت سے زیادہ خوش ہیں۔ عزیزانِ وطن! ہمیں نزاق اور اس شخص کی باتوں میں آکر لوہے کی چٹان کے ساتھ پھر ایک بار ٹکر لگانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اگر مجھے اس نئی جنگ میں فتح کی تھوڑی سی امید بھی نظر آتی تو میں سب سے پہلے بغاوت کا جھنڈا بلند کرتا لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ ہم اپنی بہادری کے باوجود اس قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے جس کے



سامنے روما اور ایران جیسی طاقتوں کو سرنگوں ہونا پڑا، جس قوم کے عزم کے سامے دریا اور سمندر سمٹ کر رہ جاتے ہوں اور آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑ سرنگوں ہو جاتے ہوں تم اس قوم پر فتح حاصل کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ میں مسلمانوں کی طرفداری نہیں کرتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس بغاوت کا انجام سوائے اس کے اور کچھ نہ ہو سکتا ہے کہ ہماری رہی سہی طاقت بھی ختم ہو جائے۔ ہزاروں بچے یتیم اور ہزاروں عورتیں بیوہ ہو جائیں۔ نزاق قوم کے گلے پر چٹھری چلا کر اپنی شہرت چاہتا ہے اور اس شخص کو میں نہیں جانتا کہ کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟

ابن صادق ایسے اعتراضات کا جواب پہلے ہی سوچ کر آیا تھا۔ اس نے ایک بار سامعین کو اپنی طرف متوجہ کیا اور تقریر شروع کی۔ وہ اس عمر رسیدہ سردار کے مقابلے میں بہت زیادہ خراٹ تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ اشتعال میں آتا، اس نے چہرے پر ایک مصنوعی مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے اس کے اعتراضات کا جواب دینا شروع کیا۔ اس کی منطق کچھ ایسی تھی کی بوڑھے سردار کے دلائل لوگوں کو محض وہم نظر آنے لگے۔ تمام بڑے بڑے سردار اس کے الفاظ کے جادو میں آگئے اور جلسہ آزادی اور بغاوت کے بلند نعروں پر ختم ہوا۔

(۳)

قتیبہ بن مسلم کے خیمہ میں رات کے وقت چند شمعیں جل رہی تھیں اور ایک کونے میں آگے سلگ رہی تھی۔ قتیبہ خشک گھاس کے بستر پر بیٹھا ہوا ایک نقشہ دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرے تفکرات کے آثار تھے۔ اُس نے نقشہ لپیٹ کر ایک طرف رکھا اور وہاں سے اُٹھ کر کچھ دیر ٹہلنے کے بعد خیمے کے دروازے میں کھڑا ہو گیا اور برف باری کا منظر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد چند درختوں کے پیچھے سے

ایک سوار نمودار ہوا۔ قتیبہ اسے پہچان کر چند قدم آگے بڑھا۔ سوار قتیبہ کو دیکھ کر گھوڑے سے اتر ایک پہرے دار نے گھوڑا پکڑ لیا۔

کیا خبر لائے نعیم؟ قتیبہ نے سوال کیا۔

زاق نے ایک لاکھ سے زیادہ فوج اکٹھی کر لی ہے۔ ہمیں بہت جلد تیاری کرنی چاہیے!

قتیبہ اور نعیم باتیں کرتے ہوئے خیمہ میں داخل ہوئے نعیم نے نقشہ اٹھایا اور قتیبہ کو دکھاتے ہوئے کہا۔ یہ دیکھے! بلخ سے کوئی پچاس کوس شمال مشرق کی طرف زاق اپنی فوجیں اکٹھی کر رہا ہے۔ اس مقام کے جنوب کی طرف دریا ہے اور باقی تین طرف پہاڑ اور کھنے جنگل ہیں۔ برفباری کی وجہ سے راستہ بہت دشوار گزار ہے۔ لیکن ہمیں گرمیوں تک انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ ترکوں کے حوصلے دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے بے رحمی سے قتل کر رہے ہیں۔ سمرقند میں بغاوت کا خطرہ ہے!

قتیبہ نے کہا۔ ہمیں ایران سے آنے والی فوجوں کا انتظار کرنا چاہیے۔ ان کی پہنچ جانے پر ہم فوراً حملہ کر دیں گے۔

قتیبہ اور نعیم یہ باتیں کر رہے تھے کہ ایک سپاہی نے خیمے میں آ کر کہا:

ایک ترک سردار آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

بلاؤ! قتیبہ نے کہا۔

سپاہی گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا سردار خیمے میں داخل ہوا۔ وہ پوستان

اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے سر پر سمور کی ٹوپی تھی۔ اس نے جھک کر قتیبہ کو سلام کیا اور کہا:

شاید آپ مجھے پہنچانتے ہوں۔ میرا نام نیزک ہے۔

میں آپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ بیٹھیے!

نیزک قتیبہ کے سامنے بیٹھ گیا۔ قتیبہ نے آنے کی وجہ دریافت کی۔

نیزک نے کہا۔ میں آپ سے یہ کہنے کے لیے آیا ہوں کہ آپ ہماری قوم پر سختی نہ کریں۔ سختی؟ قتیبہ نے تیوری چڑھاتے ہوئے کہا۔ ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ انہوں نے مسلمان بچوں اور عورتوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

لیکن ہباغی نہیں ہیں۔ نیزک نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ بے وقوف ہیں۔

اس بغاوت کی تمام ذمہ داری آپ کے ایک مسلمان بھائی پر عاید ہوتی ہے۔

ہمارا بھائی! وہ کون ہے؟

ابن صادق۔ نیزک نے جواب دیا۔

نعیم جو اس وقت شمع کی روشنی میں نقشہ دیکھ رہا تھا۔ ابن صادق کا نام سن کر چونک پڑا۔ ابن صادق! اس نے نیزک کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

ہاں۔ ابن صادق۔

وہ کون ہے؟ قتیبہ نے سوال کیا۔

نیزک نے جواب دیا۔ میں اس کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ اسے ترکستان آئے ہوئے دو سال ہو گئے ہیں اور اس نے اپنی جادو بیانی سے ترکستان کے تمام سرکردہ لوگوں کو آپ کی حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیا ہے۔

میں اس کے متعلق بہت کچھ جانتا ہوں۔ نعیم نے نقشہ لپیٹتے ہوئے کہا۔ کیا آج کل ہونزاق کے ساتھ ہے؟

نہیں۔ وہ قوند کے قرب و جوار پہاڑی لوگوں کو جمع کر کے نزاق کے لیے ایک فوج تیار کر رہا ہے۔ ممکن ہے وہ حکومت چین سے بھی مدد حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

نعیم نے قتبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ میں بہت دیر سے اس شخص کی تلاش میں ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ مجھ سے اتنا قریب ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ سے فوراً گرفتار کر لینا نہایت ضروری ہے۔

لیکن مجھے بھی تو کچھ معلوم ہو کہ وہ کون ہے؟

وہ ابو جہل سے زیادہ دشمن اسلام اور عبداللہ بن ابی سے زیادہ منافق ہے۔ وہ سانپ سے زیادہ خطرناک اور لومڑی سے زیادہ مکار ہے۔ ایسے حالات میں اس کا ترکستان میں ہونا خطرے سے خالی نہیں۔ ہمیں فوراً اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے!

لیکن اس موسم میں! قوند کے راستے پر برفانی پہاڑ حائل ہیں۔



کچھ بھی ہو۔ نعیم نے کہا۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ وہ وقت میں اس لیے مقیم ہے کہ وہاں اسے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ وہ غالباً سردی کا موسم وہیں گزارے گا۔ گرمیوں میں کوئی اور جگہ تلاش کرے گا جو محفوظ ہو۔

تم کب جانا چاہتے ہو؟

ابھی نعیم نے جواب دیا۔ مجھے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

اس وقت برف پڑ رہی ہے۔ صبح چلے جانا۔ ابھی ابھی تم ایک لمبے سفر سے آ رہے ہو۔ کچھ دیر آرام کر لو!

مجھے اس وقت تک آرام نہیں آئے گا جب تک یہ موذی زندہ ہے۔ میں اب ایک لمحہ بھی ضائع کرنا گناہ خیال کرتا ہوں۔ مجھے آپ اجازت دیجئے۔ یہ کہہ کر نعیم اٹھ کھڑا ہوا۔

اچھا اپنے ساتھ دو سو پاہی لیتے جاؤ۔

نیزک نے حیران ہو کر کہا۔ آپ انہیں تو قند بھیج رہے ہیں اور صرف دو سو پاہیوں کے ساتھ! آپ پہاڑی قوموں کی لڑائی کے طریقوں سے واقف ہیں۔ وہ بہادری میں دنیا کی کسی قوم سے کم نہیں۔ انہیں اچھی خاصی فوج کے ساتھ جانا چاہیے۔ ابن صادق کے پاس ہر وقت پانچ سو مسلح جوان رہتے ہیں۔ اور اب تک پتہ نہیں اس نے کتنی فوج اکٹھی کر لی ہوگی۔

نعیم نے کہا ایک بزدل سالار اپنے سپاہیوں میں بہادری کے جوہر پیدا نہیں کر سکتا اگر اس فوج کا سالار ابن صادق ہے تو مجھے اتنے سپاہیوں کی ضرورت نہیں۔

قتیبہ نے ذرا سوچنے کے بعد نعیم کو تین سو سپا ہی لے جانے کا حکم دیا اور اسے چند ہدایات دینے کے بعد روانہ کیا۔

ایک ساعت گزر جانے کے بعد قتیبہ اور نیزک خیمہ کے باہر کھڑے نعیم کو مختصر سی فوج کے ساتھ سامنے ایک پہاڑی پر سے گزرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

بہت بہادر لڑکا ہے۔ نیزک نے قتیبہ سے کہا

ہاں وہ ایک مجاہد کا بیٹا ہے۔ قتیبہ نے جواب دیا۔

میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ لوگ اتنے بہادر کیوں ہیں؟ نیزک نے پھر سوال کیا۔

کیونکہ ہم موت سے نہیں ڈرتے۔ موت ہمارے لیے ایک اعلیٰ زندگی کا پیام ہے۔

اللہ کے لیے زندہ رہنے کی تمنا اور اللہ کے لیے مرنے کا حوصلہ پیدا کرنے کے بعد کسی شخص کے دل میں بڑی سے بڑی طاقت کا خوف نہیں رہتا۔

آپ کی قوم کا ہر فرد اسی طرح بہادر ہے؟

ہاں ہر وہ شخص جو سچے دل سے توحید اور رسالت پر ایمان لے آتا ہے۔

(۴)

ابن صادق قوقند کے شمال میں ایک محفوظ مقام پر پناہ گزین تھا۔ ایک وادی کے چاروں طرف بلند پہاڑ اس کے لیے ناقابلِ تسخیر فصیل کا کام دے رہے تھے۔

پہاڑوں کے سرکش لوگ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں اس وادی میں جمع ہو رہے تھے۔ ابن صادق ان لوگوں کو مختصر راستوں سے نزاق کے پاس روانہ کر رہا تھا۔ اس کے جاسوس اسے مسلمانوں کی نقل و حرکت سے باخبر رکھتے تھے۔ ابن صادق کو اس بات کی تسلی تھی کہ مسلمان سردیاں ختم ہونے تک لڑائی شروع نہیں کر سکیں گے۔ اسے اس بات کا بھی اطمینان تھا کہ اول تو اتنی دور رہ کر مسلمان اس کی سازشوں سے واقف نہیں ہو سکتے اور اگر یہ انکشاف ہو بھی جائے تو بھی وہ سردیوں میں اس طرف نہیں آ سکتے اور سردیوں کے بعد انہوں نے ادھر کا رخ کیا تو خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔

ایک دن ایک جاسوس نے آ کر خبر دی کہ نعیم پیش قدمی کر رہا ہے تو وہ سخت بدحواس ہوا۔

اس کے پاس کتنی فوج ہے؟ ابن صادق نے تھوڑی دیر کے بعد سنبھل کر سوال کیا۔

فقط تین سو سپاہی۔ جاسوس نے جواب دیا۔

کل تین سو آدمی! ایک تاتاری فوجوان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

ابن صادق نے کہا۔ تم ہنستے کیوں ہو؟ وہ تین سو آدمی مجھے چین اور ترکستان کی تمام فوجوں سے زیادہ خطرناک نظر آتے ہیں۔

تاتاری نے کہا۔ آپ یقین رکھیں وہ یہاں پہنچنے سے پہلے ہمارے پتھروں کے نیچے دب کر رہ جائیں گے۔

نعیم کا تصور ابنِ صادق کو موت سے زیادہ بھیانک نظر آ رہا تھا۔ اس کے پاس سات سو سے زیادہ تاتاری موجود تھے لیکن اس پر بھی اسے اپنی فتح کا یقین نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کھلے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ اس نے تمام پہاڑی راستوں پر تاتاریوں کے پہرے مقرر کر دیے اور نعیم کا انتظار کرنے لگا۔

نعیم ابنِ صادق کا سراغ لگاتا ہوا وقتند کے شمال مشرق کی طرف جا نکلا۔ اس ناہموار زمین پر گھوڑے بڑی دقت سے آگے بڑھ رہے تھے۔ بلند چوٹیوں پر برف چمک رہی تھی اور نیچے کہیں کہیں وادیوں میں گھنے جنگلات تھے۔ لیکن برفباری کے موسم میں ان پر پتوں کا نشان نہ تھا۔ نعیم ایک بلند پہاڑی کے ساتھ ساتھ ایک نہایت تنگ راستے میں سے گزر رہا تھا کہ چانک پہاڑ پر سے تاتاریوں نے پتھر برسائے شروع کر دیے۔ چند سوار زخمی ہو کر گھوڑوں سے گر پڑے اور فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ پانچ گھوڑے سواروں سمیت لڑھکتے ہوئے ایک گہرے غار میں جا گرے۔ نعیم نے سپاہیوں کو گھوڑوں سے اترنے کا حکم دیا اور پچاس آدمیوں کو کہا کہ وہ گھوڑوں کو پہاڑی سے کچھ دُور ایک محفوظ جگہ پر لے جائیں اور خود باقی اڑھائی سو سپاہیوں کیساتھ پیدل پہاڑی پر چڑھنا شروع کیا۔ پتھر بدستور برس رہے تھے۔ مسلمان اپنے سروں پر ڈھالیں لیے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کرتے رہے۔ چوٹی پر پہنچنے تک نعیم کے ساٹھ سپاہی پتھروں کا نشانہ بن کر گر چکے تھے۔ نعیم نے اپنے رہے سبے آدمیوں کے ساتھ پہاری کی چوٹی پر قدم جماتے ہی جان توڑ کر حملہ کیا۔ مسلمانوں کا عزم اور استقلال کی حالت دیکھ کر تاتاریوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ وہ چاروں طرف سے سمٹ کر اکٹھے ہونے لگے۔ ابنِ صادق درمیان میں کھڑا ان کو

حملے کے لیے اُکسارہا۔ جب نعیم کی نظر اس پر پڑی تو اس نے جوش میں آ کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں نیزے سے اپنا راستہ صاف کرتا ہوا آگے بڑھا۔ تاتاریوں نے یکے بعد دیگرے میدان سے بھاگنا شروع کیا۔ ابن صادق کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ وہ اپنی رہی سہی فوج چھوڑ کر ایک طرف بھاگا۔ نعیم کی آنکھ اس پر تھی۔ اسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر اس کے پیچھے ہولیا۔ ابن صادق پہاڑی کے نیچے اُترا۔ اس نے ضرورت کے وقت اپنے بچاؤ کا بندوبست پہلے کر رکھا تھا پہاڑی کے نیچے ایک شخص دو گھوڑے لیے کھڑا تھا۔ ابن صادق جھٹ ایک گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑا لگادی۔ اس کے ساتھی نے ابھی رکاب میں پاؤں رکھا تھا کہ نعیم نے نیزہ مار کر اُسے نیچے گرالیا اور گھوڑے پر بیٹھتے ہی اسے ابن صادق کے تعاقب میں چھوڑ دیا۔

نعیم کے اپنے فعل کے مطابق ابن صادق لومڑی سے زیادہ مکار تھا۔ اس نے شکست کھانے کی صورت میں اپنے بچاؤ کا پورا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ نعیم اور ابن صادق کے درمیان کچھ فاصلہ نہیں تھا لیکن نعیم کو تھوڑی دیر کے تعاقب کے بعد اس بات کا احساس ہوا کہ فاصلہ زیادہ ہوتا جا رہا ہے اور اس کا گھوڑا ابن صادق کے گھوڑے کے مقابلے میں کم رفتار ہے تاہم نعیم نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور اسے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔

ابن صادق پہاڑی پر سے اتر کر وادی کی طرف ہولیا۔ اس وادی میں کہیں کہیں گھنے درخت تھے۔ ایک جگہ درختوں کے جھنڈ کے نیچے ابن صادق کے مقرر کیے ہوئے چند سپاہی کھڑے تھے۔ اُس نے بھاگتے ہوئے اشارہ کیا اور وہ درختوں کی آڑ میں چھپ کر کھڑے ہو گئے نعیم جب ان درختوں کے پاس سے گزرا تو ایک



تیر نعیم کے بازو پر آکر لگا لیکن اُس نے گھوڑے کی رفتار کم نہ کی۔ چند قدم اور چلنے کے بعد دوسرا تیر اس کی پسلی میں لگا۔ ایک اور تیر گھوڑے کی پیٹھ پر آکر لگا اور گھوڑا پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ دوڑنے لگا۔ نعیم نے اپنے بازو اور پسلی کے تیروں کو کھینچ کر نکالا لیکن ابنِ صادق کا پیچھا نہ چھوڑا۔ تھوڑی دور اور چلنے کے بعد ایک تیر نعیم کی کمر پر لگا۔ اس کا خون پہلے ہی بہت نکل چکا تھا۔ اب اس تیسرے تیر کے بعد اس کے جسم کی طاقت جواب دینے لگی لیکن جب تک حواس قائم رہے اس مجاہد کی ہمت میں فرق نہ آیا اور اس نے گھوڑے کی رفتار کم نہ ہونے دی۔ درختوں کا سلسلہ ختم ہوا اور ایک وسیع میدان نظر آنے لگا لیکن ابنِ صادق بہت آگے نکل چکا تھا اور نعیم پر کمزوری غالب آرہی تھی۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا رہا تھا۔ اس کا سر چکرانے اور کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ وہ بے بس ہو کر گھوڑے سے اترا اور بے ہوش ہو کر منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس بے ہوشی میں اسے کئی ساعتیں گزر گئیں۔ جب اسے ذرا ہوش آیا تو اس کے کانوں میں کسی کے گانے کی آواز سنائی دی۔ نعیم کے کان ایسی لطیف آواز سے مدت کے بعد آشنا ہوئے تھے۔ وہ دیر تک نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا یہ راگ سناتا رہا۔ بالآخر ہمت کر کے سر اُپر اٹھایا۔ اس کے قریب چند بھڑیں چر رہی تھیں۔ نعیم نے گانے والے کو دیکھنا چاہا لیکن ضعف کے باعث پھر آنکھوں کے سامنے سیاہی طاری ہو گئی اور اسے مجبوراً سر زمین پر ٹیک دیا۔ ایک بھیڑ نعیم کے قریب آئی اور اس نے اپنا منہ نعیم کے کانوں کے قریب لے جا کر اسے سونگھا اور اپنی زبان میں آواز دے کر اپنی ایک اور ہم جنس کو بلا لیا۔ دوسری بھیڑ بھی مے کرتی اور یہ پیغام باقی بھیڑوں تک پہنچاتی آگے چل دی۔ ایک گھڑی کے اندر اندر بہت سے بھیڑیں نعیم کے ارد گرد جمع ہو کر شور مچانے لگیں۔ ایک کوہستانی دوشیزہ ہاتھ میں چھڑی لیے بھیڑوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ہانکتی اور بدستور گاتی ہوئی

چلی آرہی تھی۔ وہ ایک جگہ بھیڑوں کا اجتماع دیکھ کر اس طرف بڑھی اور ان کے درمیان نعیم کو خون میں لت پت دیکھ کر ایک ہلکی سی چیخ کے بعد نعیم سے چند قدم کے فاصلے پر انگشت بدنداں کھڑی ہو گئی۔

نعیم نے بے ہوشی کی حالت میں اپنا سر اوپر اٹھایا کہ حُسنِ فطرت کی ایک مکمل تصویر ایک کوہستانی لڑکی کے وجود میں سامنے کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اس کے لمبے قد کے ساتھ جسمانی صحت اور تناسب اعضاء اس کے معصوم حُسن میں اضافہ کر رہے تھے۔ اس کا مونے اور کھڑے کپڑے کا بنا ہوا لباس تصنع سے بے نیاز تھا۔ اس نے سوار کا ایک ٹکڑا گردن کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ سر پر ایک ٹوپی تھی۔ حسینہ کا چہرہ ذرا لمبا تھا لیکن یہ لمبائی فقط اس قدر تھی جتنی کہ ایک حسین چہرے کو سنجیدہ بنا دینے کے لیے ضروری ہو۔ بڑی بڑی سیاہ اور چمک دار آنکھیں، پتلے اور نازک ہونٹ جن کی شگفتگی گلِ نو بہار سے کہیں زیادہ جاذبِ نظر تھی۔ کشادہ پیشانی اور مضبوط ٹھوڑی، تمام مل کر اس حسینہ میں بہارِ حُسن کے علاوہ روبِ حُسن بھی پیدا کر رہے تھے اور یہ ظاہر ہوتا تھا کہ حُسن کے متعلق مشرق اور مغرب کا تخیل رنگ و بو کے اس دلفریب پیکر پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ نعیم کو ایک نگاہ میں وہ عذرا اور دوسری میں زلیخا دکھائی دی۔ نو جوان لڑکی نعیم کے جسم پر خون کے نشانات دیکھنے اور کچھ دیر بدحواسی کے عالم میں خاموش کھڑی رہنے کے بعد جرات کر کے آگے بڑھی اور بولی:

آپ زخمی ہیں؟

نعیم ترکستان میں رہ کر تاتاری زبان پر کافی عبور حاصل کر چکا تھا۔ اس نے دو شیزہ کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اُٹھ کر بیٹھا چاہا لیکن پھر ایک چکر آیا اور وہ بے ہوش ہر کر گر پڑا۔

## نرگس

جب نعیم کو دوبارہ ہوش آیا تو وہ کھلے میدان کی بجائے ایک پتھر کے مکان میں لیٹا ہوا تھا۔ چند مرد اور عورتیں اس کے گرد کھڑی تھیں اور وہی نازنین جس کا دھندلا نقشہ اس کے دماغ میں تھا، ایک ہاتھ گرم دودھ کا پیالہ لیے دوسرے ہاتھ سے اس کے سر کو سہارا دے کر اُپر اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ نعیم نے قدرت توقف کے بعد پیالے کو منہ لگایا۔ چند گھونٹ پینے کے بعد اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو لڑکی نے اسے دوبارہ بستر پر لٹا دیا اور خود ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئی۔ نعیم کمزوری کی وجہ سے آنکھیں بند کر لیتا اور کبھی متحیر ہو کر اس حسینہ اور باقی لوگوں کی طرف دیکھتا۔ ایک نوجوان مکان کے دروازے میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے ہاتھ میں کمان تھی۔

لڑکی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ بھیڑیں لے آئے؟

ہاں لے آیا ہوں اور اب جا رہا ہوں۔

کہاں؟ لڑکی نے سوال کیا۔

شکار کھیلنے جا رہا ہوں۔ میں نے آج ایک جگہ ریچھ دیکھا ہے۔ بہت بڑا ریچھ

ہے۔ ان کو اب آرام ہے؟

ہاں کچھ ہوش آیا ہے۔

تم نے خموں پر مرہم لگایا؟

نہیں۔ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ مجھ سے یہ نہیں اُترتی۔ لڑکی نے نعیم کی زرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نو جوان آگے بڑھا اور نعیم کو سہارا دینے کے بعد اس کی زرہ کھول ڈالی۔ قمیض اوپر اٹھا کر زخم دیکھے۔ مرہم لگا کر پٹی باندھی اور کہا۔ آپ لیٹ جائیں۔ زخم بہت خطرناک ہیں لیکن اس مرہم سے بہت جلد آرام آجائے گا۔ نعیم بغیر کچھ کہہ لیٹ گیا اور نو جوان باہر چلا گیا۔ اس کے بعد دوسرے لوگ بھی یکے بعد دیگرے چل دیے۔ نعیم اب اچھی طرح ہوش میں آچکا تھا اور اس کا یہ وہم دور ہو چکا تھا کہ وہ سفر حیات ختم کر کے جنت الفردوس میں پہنچ چکا ہے۔

میں کہاں ہوں؟ نعیم نے سوال کیا۔

میں بھیڑیں چرا یا کرتی ہوں۔

تمہارا نام کیا ہے؟

میرا نام نرگس ہے۔

نرگس!

جی ہاں۔

نعیم کو جہاں اس لڑکی کی شکل و دو صورتیں اور نظر آ رہی تھیں وہاں اب اس کے نام کے ساتھ دوا اور نام بھی یاد آ گئے۔ اس نے اپنے دل میں عذرا، زلیخا اور نرگس کے نام دہرائے اور ایک گہری سوچ میں چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

آپ کو بھوک لگ رہی ہوگی؟ لڑکی نے نعیم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا اور اُٹھ کر مقابل کے کمرے سے چند سیب اور خشک میوے لا کر نعیم کے سامنے رکھ دیے۔ نعیم کے سر کے نیچے ہاتھ دے کر اٹھایا اور اسے سہارا دینے کی غرض سے ایک پوسٹین اس کے پیچھے رکھ دی۔ نعیم نے چند سیب کھائے اور زرگس سے پوچھا:

وہ نوجوان جو ابھی آیا تھا۔ کون ہے؟

وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔

اس کا نام کیا ہے؟

ہومان۔ زرگس نے جواب دیا۔

زرگس سے چند اور سوالات پوچھنے پر نعیم کو معلوم ہوا کہ اسکے والدین فوت ہو چکے ہیں۔ اور وہ اپنے بھائی کے ساتھ اس چھوٹی سے بستی میں رہتی ہے اور ہومان اس گڈریوں کی بستی کا سردار ہے جس کی آبادی کوئی چھ سو انسانوں پر مشتمل ہے۔

شام کے وقت ہومان گھر آیا اور اس نے آکر بتایا کہ اس کا شکار ہاتھ نہیں آیا۔

زرگس اور ہومان نے نعیم کی تیمارداری میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ رات کے وقت وہ بہت دیر تک نعیم کے پاس بیٹھے رہے۔ جب نعیم کی آنکھ لگ گئی تو زرگس اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور ہومان نعیم کے قریب ہی گھاس کے بستر پر لیٹ گیا۔ رات بھر نعیم نہایت دلکش خواب دیکھتا رہا۔ عبد اللہ سے رخصت ہونے کے بعد پہلی رات تھی جبکہ عالم خواب میں بھی نعیم کے خیالات کی پرواز اسے میدان جنگ کے علاوہ کہیں اور لے گئی ہو۔ کبھی وہ دیکھتا کہ اس کی مرحوم والدہ اس کے زخموں کی



مرہم پٹی کر رہی ہے اور عذرا کی محبت بھری نگاہیں اسے تسکین کا پیام دے رہی ہیں  
کبھی وہ دیکھتا کہ زلیخا اپنے رُخ انور سے اس کے قید خانے کی تاریک کوٹھڑی میں  
ضیا پاشی کر رہی ہے۔

صبح کے وقت آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ زگس پھر اس کے سامنے دودھ کا  
پیالہ لیے کھڑی ہے اور ہومان اس کے جگا رہا ہے۔

زگس کے پیچھے کھڑی بستی کی ایک اور لڑکی اس کی طرف محکمگی باندھے دیکھ رہی  
تھی۔ زگس نے کہا۔ بیٹھ جاؤ زمر! اور وہی چپکے سے ایک طرف بیٹھ گئی۔

نعیم ایک ہفتے بعد چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا اور اس معصوم ماحول میں دلچسپی  
لینے لگا۔ بستی کے لوگ بھیڑوں اور بکریوں پر گزارہ کرتے تھے۔ قرب و جوار میں  
بہترین چراگاہوں کی بدولت ان کی حالت بہت اچھی تھی۔ کہیں کہیں سیب اور انگور  
کے باغات بھی تھے۔ بھڑیں اور بکریاں پالنے کے علاوہ ان لوگوں کا دلچسپ مشغلہ  
جنگلی جانوروں کا شکار تھا۔ بستی کے آدمی شکار کے لیے دور تک برفانی علاقوں میں  
چلے جاتے تھے اور بھڑیں چرانے کا کام زیادہ تر نوجوان عورتوں کے سپرد تھا۔ ان  
لوگوں کو ملک کے سیاسی معاملات میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تاتاریوں کی بغاوت کی  
حمایت یا مخالفت سے بہت حد تک بے نیاز تھے۔ رات کے وقت گاؤں کی نوجوان  
عورتیں اور مرد ایک وسیع خیمے میں اکٹھے ہو کر گاتے اور رقص کرتے۔ رات کا کچھ  
حصہ گزارنے پر عورتیں اپنے اپنے گھر کو چلی جاتیں اور مرد دیر تک چھوٹی چھوٹی  
ٹولیوں میں بیٹھ کر گپیں ہانکتے۔ کوئی پرانے زمانے کے بادشاہوں کی کہانی سناتا۔  
کوئی پرانے زمانے کے بادشاہوں کی کہانی سناتا۔ کوئی اپنے رچھ کے شکار کا  
دلچسپ واقعہ بیان کرتا اور کوئی جنوں، بھوتوں اور چڑیلوں کی سن گھڑت داستانیں

لے بیٹھتا۔ یہ لوگ کسی حد تک تو ہم پرست تھے، اس لیے بھوتوں کی کہانیاں بڑے شوق سے سنتے۔ اب چند دنوں سے ان لوگوں کی گفتگو کا موضوع ایک شہزادہ بھی تھا۔ کوئی اس کی قد و قامت اور شکل و صورت کا تذکرہ چھیڑ دیتا۔ کوئی اس کے لباس کی تعریف کرتا۔ کوئی اس کی قد و قامت اور شکل و صورت کا تذکرہ چھیڑ دیتا۔ کوہ اس کے لباس کی تعریف کرتا۔ کوئی اس کے زخمی ہو کر اس بستی میں پہنچ جانے پر حیرانی کا اظہار کرتا۔ کوئی کہتا کہ ہم گڈریوں کے لیے دیوتاؤں نے ایک بادشاہ بھیجا ہے اور یہ ہومان کو اپنا وزیر بنالے گا۔ الغرض بستی کے لوگ نعیم کا نام لینے کے بجائے اسے شہزادہ کہا کرتے تھے۔

ادھر بستی کی عورتوں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ یہ نووارد شہزادہ نرگس کو اپنی ملکہ بنا لے گا۔ گاؤں کی لڑکیاں نرگس کی خوش نصیبی پر رشک کرتیں۔ کوئی اسے شہزادے کی محبوبہ بننے پر مبارکباد دیتی اور کوئی باتوں ہی باتوں میں اسے چھیڑتی۔ نرگس بظاہر بُرا مانتی مگر اس کا دل اپنی سہیلیوں کے منہ سے ایسی باتیں سننے پر دھڑکنے لگتا۔ سفید رُخساروں پر سُرخ رقص کرنے لگتی۔ اس کے کان نعیم کی تعریف میں گاؤں والوں کی زبان سے ہر نیا جملہ سننے کے لیے بے قرار رہتے۔

نعیم ان تمام باتوں سے بے خبر ہومان کے مکان کے ایک کمرے میں اپنی زندگی کے نہایت پرسکون لمحات گزار رہا تھا۔ گاؤں کے مرد اور عورتیں ہر روز آتے اور اسے دیکھ کر چلے جاتے۔ وہ اپنے تیمارداروں کا نہایت خندہ پیشانی سے شکریہ ادا کرتا۔ لوگ اسے ایک شہزادہ خیال کرتے ہوئے پاس ادب سے کافی دور ہٹ کر کھڑے ہوتے اور اس کے حالات معلوم کرنے کے لیے سوالات کرنے سے گریز کرتے لیکن نعیم کی شگفتہ مزاجی نے انہیں بہت جلد بے تکلف بنا لیا اور یہ لوگ ادب

اور احترام کے علاوہ نعیم سے محبت بھی کرنے لگے۔

(۲)

ایک روز شام کے وقت نعیم نماز پڑھ رہا تھا۔ نرگس اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ مکان کے دروازے میں کھڑی اس کی حرکات کو بغور دیکھ رہی تھی۔

یہ کیا کر رہا ہے۔ ایک لڑکی نے حیران ہو کر سوال کیا۔

شہزادہ جو ہوا۔ زمر نے بھولپن سے جواب دیا۔ دیکھو کس شان سے اُٹھتا اور بیٹھتا ہے۔۔۔ نرگس ہونٹوں پر اُنکلی رکھتے ہوئے کہا۔

نعیم نے نماز ختم کر کے دُعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیے۔ لڑکیاں دروازے سے ذرا ہٹ کر باتیں کرنے لگیں۔

چلو نرگس! زمر نے کہا۔ وہاں ہمارا انتظار ہوتا ہوگا۔

میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں ان کو یہاں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔

چلو ان کو بھی ساتھ لے چلیں۔

کہیں دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا۔ کم بخت، وہ شہزادہ ہے یا کھلونا؟ دوسری لڑکی نے کہا۔

یہ لڑکیاں ابھی باتیں کر رہی تھیں کہ ہومان گھوڑے پر آتا دکھائی دیا۔ وہ نیچے اُتر اتو نرگس نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ ہومان سیدھا نعیم کے کمرے میں داخل ہوا۔

زمر نے کہا۔ چلو نرگس۔ اب تو تمہارا بھائی ان کے ساتھ بیٹھے گا۔  
چلو نرگس! دوسری نے کہا۔

چلو۔ چلو! کہتے ہوئے تمام لڑکیاں نرگس کو دھکیل کر ایک طرف لے گئیں۔

ہومان کے اندر داخل ہوتے ہی نعیم نے پوچھا۔ کہو بھائی کیا خبر لائے ہو؟

ہومان نے جواب دیا۔ میں ان تمام مقامات سے پھر کر آ رہا ہوں۔ آپ کی فوج کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ اس صادق بھی کہیں روپوش ہے۔ مجھے ایک آدمی کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ کی فوجیں عنقریب سر قند پر حملہ کرنے والی ہیں۔

ہومان اور نعیم بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نعیم نے عشا کی نماز ادا کی اور آرام کرنے کے خیال سے لیٹ گیا۔ ہومان اٹھ کر دوسرے کمرے میں جانے کو تھا کہ گاؤں والوں کے گانے کی آواز سنائی دی۔

آپ نے ہمارے گاؤں کے لوگوں کا گان نہیں سنا؟ ہومان نے کہا۔

میں یہاں لیٹے لیٹے کئی بار سن چکا ہوں۔

چلیے آپ کو وہاں لے چلوں۔ وہ لوگ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔  
آپ کو معلوم ہے وہ آپ کو شہزادہ خیال کرتے ہیں؟

شہزادہ؟ نعیم نے مسکرا کر کہا۔ ہم میں نہ کوئی بادشاہ ہے اور نہ کوئی شہزادہ۔

آپ مجھ سے چھپاتے کیوں ہیں؟

مجھے چھپانے سے کیا حاصل؟

تو آپ کون ہیں؟

ایک مسلمان۔

شاید آپ جسے مسلمان کہتے ہیں، ہم اسے شہزادہ کہتے ہیں۔

گانے والوں کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ ہومان غور سے سننے لگا۔ چلیے! ہومان نے پھر ایک بار کہا۔ گاؤں کے لوگوں نے کئی بار مجھ سے درخواست کی ہے کہ آپ کو ان کی مجلس میں لاؤں لیکن میں آپ کو مجبور کرنے کی جرات نہیں کر سکا۔ اچھا چلو۔ نعیم اُٹھتے ہوئے جواب دیا۔

چند آدمی شہنایاں اور ڈھول بجا رہے تھے اور ایک بوڑھا تاتاری گارہا تھا۔ نعیم اور ہومان خیمے میں داخل ہوئے تو تھوڑی دیر کے لیے خیمے میں سکوت طاری ہو گیا۔

تم خاموش کیوں ہو گئے؟ ہومان نے کہا گاؤ!

گانا پھر ایک بار شروع ہوا۔

ایک شخص نے پوسٹین بچھا دی اور نعیم سے بیٹھ جانے کی درخواست کی۔ نعیم قدرے تذبذب کے بعد بیٹھ گیا۔ ساز بجانے والوں نے جب گانے والے کے راگ کے ساتھ ساز کی تال کو تبدیل کیا تو مردوں اور عورتوں نے اٹھ کر ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لیے اور رقص شروع کر دیا۔ ہومان نے بھی اُٹھ کر زمرہ کے ہاتھ پکڑے اور رقص میں شریک ہو گیا۔



زگس تنہا کھڑی نعیم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک بوڑھے چرواہے نے ذرا جرات سے کام لیا اور نعیم کے قریب آ کر کہا۔ آپ بھی انھیں آپ کا ساتھی آپ کا انتظار کر رہا ہے!

نعیم نے زگس کی طرف دیکھا۔ زگس نے آنکھیں جھکا لیں۔ نعیم بغیر کچھ کہے اپنی جگہ سے اٹھا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ نعیم کے نکلتے ہی خیمے میں پھر ایک بار سناٹا چھا گیا۔

وہ ہمارا ناچ پسند نہیں کرتے۔ میں انہیں گھرتک چھوڑ کر ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر ہومان خیمے سے باہر نکلا اور بھاگ کر نعیم سے جا ملا۔  
بہت گھبرا گئے آپ؟ اس نے کہا۔  
اوہو تم بھی آ گئے۔

میں آپ کو گھرتک چھوڑ آؤں؟

نہیں جاؤ میں تھوڑی دیر یہاں گھوم کر گھر جاؤں گا۔

ہومان واپس چلا گیا اور نعیم بستی میں ادھر ادھر پھر کر اپنی جائے قیام کے قریب پہنچا اور مکان کے باہر ایک پتھر پر بیٹھ کر ستاروں سے باتیں کرنے لگا۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ میں یہاں کیا کر رہا ہوں۔ مجھے زیادہ دیر یہاں رہنا نہیں چاہیے۔ میں ایک ہفتہ تک گھوڑے پر سوار ہونے کے قابل ہو جاؤں گا۔ میں بہت جلد چلا جاؤں گا۔ یہ بستی مجاہد کی دنیا سے بہت مختلف ہے لیکن یہ لوگ بہت سیدھے ہیں۔ انہیں نیک راستے پر لانے کی ضرورت ہے۔

نعیم ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ پیچھے سے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا زگس آرہی تھی۔ وہ سوچ سوچ کر قدم اٹھاتی ہوئی نعیم کے قریب پہنچی اور سہمی ہوئی آواز میں بولی:

آپ سردی میں باہر بیٹھے ہیں۔

نعیم نے چاند کی دلفریب روشنی میں اس کے چہرے پر نظر دوڑائی۔ وہ حسین بھی تھی اور معصوم بھی۔ اس نے کہا۔

زگس تم اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر کیوں آ گئیں؟

آپ آگئے تھے میں نے سوچا۔۔۔ آپ۔۔۔ اکیلے ہوں گے۔

نعیم کو ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ ان گنت نغمے سنائی دینے لگے۔ ایک لمحہ کے لیے وہ بے حس و حرکت بیٹھا زگس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اچانک اٹھا اور کچھ کہے بغیر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ زگس کی آواز دیر تک اس کے کانوں میں گونجتی رہی اور وہ بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلتا رہا۔

علی الصبح نعیم کی آنکھ کھلی۔ اُٹھ کر باہر نکلا۔ چشمے پر وضو کیا اور اپنے کمرے میں آ کر فجر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد وہ سیر کے لیے بارہ نکل گیا۔ جب واپس آ کر کمرے میں داخل ہونے لگا تو دیکھا کہ اس جگہ جہاں وہ اکثر نماز پڑھا کرتا تھا، ہومان آنکھیں بند کیے قبلہ رو ہو کر رکوع اور سجود کی مشق کر رہا ہے۔ نعیم چپکے سے دروازے میں کھڑا اُس کی بے ساختہ تقلید پر مسکرا رہا تھا۔

جب ہومان نے نعیم کی طرف پیٹھ کر تھوڑی دیر ہونٹ ہلانے کے بعد دائیں

بائیں دیکھا تو اس کی نظر نعیم پر جا پڑی۔ وہ بدحواس ہو کر اٹھا اور اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ میں آپ کی نقل کر رہا تھا۔ گاؤں کی بہت سے لڑکیاں اور لڑکے اسی طرح کرنے لگے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس طرح کرتا ہوا انسان بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ میں آپ کے کمرے میں داخل ہوا تو نرگس بھی اس طرح کر رہی تھی۔۔۔۔ میں بھی۔۔۔!

نعیم نے کہا۔ ہومان! تم ہر بات میں میری نقل اتارنے کی کیوں کوشش کرتے ہو؟

کیونکہ آپ ہم سے اچھے ہیں اور آپ کی ہر بات ہم سے اچھی ہے۔

اچھایوں کرو۔ آج تمام گاؤں کے لوگوں کو جمع کرو۔ میں ان سے کچھ کہوں گا! وہ آپ کی باتیں سن کر بہت خوش ہوں گے۔ میں انہیں ابھی اکٹھا کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر ہومان چلا گیا۔ دوپہر سے پہلے گاؤں کے تمام لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے۔ نعیم نے پہلے دن خُدا اور اس کے رسول کی تعریف کی۔ انہیں بتایا کہ آگ اور پتھر وغیرہ تمام خدا کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ چیزوں کے بنانے والے کو بھول کر اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو پوجا کرنا عقلمندی نہیں۔ ہماری قوم کی حالت بھی تمہاری قوم جیسی تھی۔ وہ بھی پتھر کے بُت بنا کر پوجا کرتی تھی۔ لیکن ہم میں خُدا کا ایک برگزیدہ رسول پیدا ہوا جس نے ہمیں ایک نیا راستہ دکھایا۔ نعیم نے آقائے مدنی کی زندگی کے حالات بیان کیے۔ اسی طرح چند اور تقریریں کیں اور تمام بستی والوں کو اسلام کی طرف کھینچ لیا۔ سب سے پہلے کلمہ پڑھنے والے نرگس اور ہومان تھے۔

چند دنوں میں اس بستی کا ماحول میں یکسر تبدیلی ہو گئی۔ ان دلکش مرغزاروں

میں نعیم کی اذانیں گونجنے لگیں اور رقص و سرور کی بجائے پانچ وقت کی نمازیں ادا ہونے لگیں۔

نعیم اب مکمل طور پر تندرست ہو چکا تھا۔ اس نے کئی بار واپس لوٹنے کا ارادہ کیا لیکن برفباری کی شدت سے پہاڑی راستے بند تھے اور اسے کچھ دیر اور قیام کے سوا چارہ نہ تھا۔

نعیم بے کار بیٹھ کر دن کاٹنے کا عادی نہ تھا۔ اس لیے وہ کبھی کبھی ان لوگوں کے ساتھ شکار کے لیے باہر چلا جاتا۔ ایک دن ریچھ کے شکار میں نعیم نے غیر معمولی جرات کا مظاہرہ کیا۔ ایک ریچھ ایک شکاری کے تیر سے زخمی ہونے پر اس قدر تندہی سے حملہ آور ہوا کہ تمام شکاریوں کے پاؤں اکٹڑ گئے۔ وہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے بڑے بڑے پتھروں کی آڑ میں چھپ کر ریچھ پر تیر برسانے لگے۔ نعیم نہایت اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ ریچھ غضبناک ہو کر اس پر جھپٹا۔ نعیم نے بایں ہاتھ سے اپنی ڈھال اٹھا کر اسے روکا اور دائیں ہاتھ سے نیزہ اس کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ ریچھ اُلٹ ہو کر گرا لیکن پھر شور مچاتا ہوا اٹھا اور نعیم پر حملہ کر دیا۔ اتنی دیر میں وہ تلوار نیام سے نکال چکا تھا۔ ریچھ کے جھپٹنے کی دیر تھی کہ نعیم کی تلوار اس کی کھوپڑی پر لگی۔ ریچھ گرا۔ تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ شکاری اپنی اپنی جائے پناہ سے نکل کر نعیم کی طرف حیرانی سے دیکھنے لگے۔ ایک شکاری نے کہا۔ آج تک اتنا بڑا ریچھ کسی نہیں مارا۔ اگر آپ کی جگہ ہم میں سے کوئی ہوتا تو خیر نہ تھی۔ آپ نے آج تک کتنے ریچھ مارے ہیں؟

یہ پہلا ہے۔ نعیم نے تلوار نیام میں ڈالتے ہوئے کہا۔

پہلا؟ وہ حیرانی سے بولا۔ آپ تو بہت تجربہ کار شکاری معلوم ہوتے ہیں۔

اس کے جواب میں ایک بوڑھے شکاری نے کہا۔ کل کی بہادری، بازو کی ہمت اور تلوار کی تیزی کو تجربے کی ضرورت نہیں۔

(۳)

نعیم کو اب ہر لحاظ سے اس گاؤں کے لوگ انسانیت کا بلند ترین معیار تصور کرنے لگے اور اس کی ہر بات اور ہر حرکت قابلِ تقلید خیال کی جانے لگی۔ اس بستی میں اسے ڈیڑھ مہینہ گزر گیا۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ قتیہ موسم بہار سے پہلے نقل و حرکت نہیں کرے گا۔ اس لیے بظاہر اس کے وہاں ٹھہرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی لیکن ایک نیا احساس نعیم کو اب کسی حد تک بے چین کر رہا تھا۔

زگس کا طرز عمل اس کے پرسکون دل میں پھر ایک بار ہیجان پیدا کر رہا تھا۔ وہ اپنے خیال میں ابتدائے شباب کے رنگین سپنوں سے بے نیاز ہو چکا تھا لیکن فطرت کی رنگینیاں ایک بار پھر اس کے دل کے سوئے ہوئے فتنوں کو بیدار کرنے کے لیے کوشاں تھیں۔

زگس اپنی شکل و شباهت اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے اسے اس بستی کے لوگوں سے بہت مختلف نظر آتی تھی۔ ابتدا میں جب بستی کے لوگ نعیم سے اچھی طرح واقف نہ تھے زگس اس کے ساتھ بے تکلفی سے پیش آتی رہی لیکن جب بستی کے لوگ اس سے بے تکلف ہونے لگے تو اس کی بے تکلفی میں تبدیل ہو گئی۔ شوق کی انتہا اسے نعیم کے کمرے تک لے جاتا اور گھبراہٹ کی انتہا اسے چند لمحات سے زیادہ وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ دیتی۔ وہ اس کے کمرے میں اس خیال سے داخل ہوتی



کہ وہاں سارا دن بیتھ کر اسے بیتاب نگاہوں سے دیکھتی رہے گی۔ لیکن نعیم کے سامنے پہنچ کر یہ خیال غلط ثابت ہوتا۔ اپنی امیدوں اور آرزوؤں کے مرکز کی طرف دیکھتے ہی وہ آنکھیں جھکا لیتی اور دھڑکتے ہوئے دل کی پر زور درخواستوں منتوں اور سماجتوں کے باوجود اسے دوبارہ نظر اٹھانے کی جرات نہ ہوتی اور اگر کبھی وہ جرات کر بھی لیتی تو حیا نعیم اور اس کے درمیان ایک نقاب بن کر حائل ہو جاتی۔ ایسی حالت میں فقط یہ خیال اس کے دل کی تسکین کا باعث ہوتا کہ نعیم اس کی طرف دیکھ رہا ہے لیکن جب کبھی وہ ایک آدھ نگاہ غلط انداز سے اس کی طرف دیکھ لیتی اور اسے گہرے خیال میں گردن نیچی کیے پوشتین کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے یا گھاس کے تنکوں کو کھینچ کھینچ کر توڑتے ہوئے پاتی تو اس کے دل میں اندر سلگنے والی چنگاریاں بجھ جاتیں اور جسم کے ہر رگ و ریشے میں سردی کی کہر دوڑ جاتی۔ اس کے کانوں میں گونجنے والے شباب کے دلکش راگ کی تانیں خاموش اور اس کے خیالات منتشر ہو جاتے۔ وہ اپنے دل پر ایک ناقابل برداشت بوجھ لیے اٹھتی اور نعیم کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر چلی جاتی۔

ابتدا میں ایک معصوم لڑکی کی محبت جہاں انسان کے دل میں ارادوں کا طوفان اور تصورات و خیالات کا ہیجان پیدا کر دیتی ہے وہاں غیر معمولی توہمات اسے عمل اور حرکت کی جرات سے بھی ناکارہ کر دیتے ہیں۔

نعیم اس کے خیالوں، آرزوؤں اور سپنوں کی چھوٹی سے دنیا کا مرکزی نقطہ بن چکا تھا۔ اس کا حال مسرتوں سے لبریز تھا لیکن جب وہ مستقبل کے متعلق سوچتی تو ان گنت توہمات اسے پریشان کرنے لگتے۔ وہ اس کے سامنے جانے کی بجائے اسے چھپ چھپ کر دیکھتی۔ کبھی ایک خیالی انبساط کیفیت اس کے دل کو مسرور بنائے

رکھتی اور کبھی ایک خیالی خوف کا تصور اسے پہروں بے چین رکھتا۔

نعیم اسے ذکی الحس انسان کے لیے نرگس کے دل کی کیفیت کا اندازہ کرنا مشکل نہ تھا۔ وہ اپنی قوت تسخیر سے نا آشنا نہ تھا لیکن اس نے اپنے دل میں ابھی تک اس بات کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اسے اس فتح پر خوش ہونا چاہیے یا نہیں۔

ایک دن عشاء کی نماز کے بعد نعیم نے ہومان کو اپنے پاس بلایا اور اس پر واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ہومان نے جواب دیا۔ میں آپ کی مرضی کے خلاف آپ کو روکنے کی جرات تو نہیں کر سکتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ برفانی پہاڑوں کے راستے ابھی صاف نہیں ہوئے۔ آپ کم از کم ایک مہینہ اور ٹھہر جائیں۔ موسم بدل جانے پر آپ کے لیے سفر کرنا آسان ہوگا۔

نعیم نے جواب دیا۔ برفباری کا موسم تو اب گزر چکا ہے۔ اور ویسے بھی سفر کا ارادہ میرے لیے ہموار یا دشوار گزار راستے ایک ہی جیسے بنا دیا کرتا ہے۔ میں کل صبح جانے کا ارادہ کر چکا ہوں۔۔

اتنی جلدی! کل تو ہم نہیں جانے دیں گے!

اچھا۔ صبح کے وقت دیکھا جائے گا۔ یہ کہہ کر نعیم بستر پر دراز ہو گیا۔ ہومان اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھا۔ راستے میں نرگس کھڑی تھی۔ ہومان کو آتا دیکھ کر وہ درخت کی آڑ میں کھڑی ہو گئی۔ ہومان جب دوسرے کمرے میں چلا گیا تو نرگس بھی اس کے پیچھے پیچھے داخل ہوئی۔

نرگس باہر سردی ہے۔ تم کہاں پھر رہی ہو؟ ہومان نے کہا۔

زرگس نے جواب دیا۔ کہیں نہیں یونہی باہر گھوم رہی تھی۔

یہ کمرہ نعیم کی آرام گاہ سے ذرا کھلا تھا۔ فرش پر سوکھی گھاس بچھی تھی۔ کمرے کے ایک کونے میں ہومان اور دوسرے میں زرگس لیٹ گئی۔

ہومان نے کہا۔ زرگس! وہ کل جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

زرگس اپنے کانوں سے نعیم اور ہومان کی باتیں سن چکی تھی لیکن ایسے موضوع پر اس کی دلچسپی ایسی نہ تھی کہ وہ خاموش رہتی۔

وہ بولی۔ تو آپ نے ان سے کیا کہا؟

میں نے تو انہیں ٹھہرنے کے لیے کہا ہے لیکن اصرار کرتے ہوئے بہت ڈر لگتا ہے۔ گاؤں والوں کو ان کے جانے کا بہت افسوس ہوگا۔ میں ان سے کہوں گا کہ وہ تمام مل کر انہیں ٹھہرنے پر مجبور کریں۔

ہومان زرگس سے چند اور باتیں کرنے کے بعد سو گیا۔ زرگس چند بار کروٹیں بدلنے اور سونے کی ناکام کوشش کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اگر انہیں اس طرح چلے جانا تھا تو آئے ہی کیوں تھے؟ یہ خیال آتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی۔ نعیم کے کمرے کا طواف کیا۔ ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا لیکن آگے قدم اٹھانے کی جرات نہ ہوئی اندر شمع جل رہی تھی اور نعیم پوسٹین اوڑھے سو رہا تھا۔ اس کا چہرہ ٹھوڑی تک عریاں تھا۔ زرگس نے اپنے دل میں کہا میرے شہزادے! تم جا رہے ہو۔ نہ معلوم کہاں! تم کیا جانو کہ تم یہاں کیا چھوڑ کر جا رہے ہو اور کیا کچھ اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔ ان پہاڑوں، چراگاہوں، باغوں اور چشموں کی تمام دلچسپیاں اپنے ساتھ لے جاؤ گے اور اس ویرانے میں اپنی یاد چھوڑ

جاؤ گے۔۔۔۔۔ شہزادے۔۔۔۔۔ میرے شہزادے۔۔۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔۔۔ تم میرے نہیں۔  
میں اس قابل نہیں۔ یہ سوچ کر زگس سسکیاں لینے لگی۔ پھر وہ کمرے کے اندر داخل  
ہوئی اور تھوڑی دیر بعد بے حس و حرکت کھڑی نعیم کی طرف دیکھتی رہی۔

اچانک نعیم نے کروٹ بدلی۔ زگس خوفزدہ ہو کر باہر نکلی اور دے پاؤں اپنے  
کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ اُف رات کتنی طویل ہے۔ اس نے چند بار اُٹھ  
اُٹھ کر لیٹتے ہوئے کہا۔

علی الصباح ایک گڈریے نے اذان دی۔ نعیم بستر سے اُٹھا اور وضو کے لیے  
چشمے پر پہنچا۔ زگس پہلے سے وہاں موجود تھی۔ زگس کی توقع کے خلاف نعیم اسے  
وہاں دیکھ کر زیادہ حیران نہ ہوا۔ اس نے کہا:

زگس! تم آج بہت سویرے یہاں آگئیں؟

زگس ہر روز نعیم کو ان درختوں کے پیچھے چھپ چھپ کر دیکھا کرتی تھی۔ آج  
وہ نعیم سے اس کی بے نیازی کا شکوہ کرنے کے لیے تیار ہو کر آئی تھی لیکن نعیم کے اس  
درجہ بے پروائی سے ہمکلام ہونے پر اس کے دل میں ولولوں کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی۔  
تاہم وہ ضبط نہ کر سکی۔ اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا:

آپ آج چلے جائیں گے؟

ہاں زگس! مجھے یہاں آئے بہت دیر ہو گئی ہے۔ آپ نے میرے لیے بہت  
تکلیف اٹھائی ہے۔ شاید میں شکریہ ادا نہ کر سکوں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

نعیم یہ کہہ کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور چشمے کے پانی سے وضو کرنے لگا۔ زگس کچھ



اور بھی کہنا چاہتی تھی لیکن نعیم کا طرزِ عمل حوصلہ افزا نہ تھا۔ دل کا طوفان یکسر ٹھنڈا ہو گیا۔ جب گاؤں کے باقی لوگ وضو کے لیے اس چشمے پر جمع ہونے لگے تو زگس وہاں سے کھسک آئی۔

گاؤں کا بڑا خیمہ جس میں لوگ اسلام لانے سے پہلے فرصت کے لمحات رقص و سرور میں گزارا کرتے تھے۔ اب نماز کے لیے وقف تھا۔ نعیم وضو کرنے کے بعد اس خیمے میں داخل ہوا۔ گاؤں کے لوگوں کو نماز پڑھائی اور دُعا کے بعد انہیں بتایا کہ میں جارہا ہوں۔

نعیم ہومان ایک ساتھ خیمے سے باہر نکلے۔ مکان پر پہنچ کر نعیم اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ ہومان نے نعیم کے ساتھ داخل ہوتے وقت اپنے پیچھے گاؤں کے لوگوں کو آتے دیکھا تو اندر جانے کے بجائے چند قدم واپس ہو کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔ کیا وہ سچ مچ چلے جائیں گے؟ ایک بوڑھے نے سوال کیا۔

ہاں۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ نہیں ٹھہریں گے۔ ہومان نے جواب دیا۔

اگر ہم اصرار کریں تو بھی؟

تو شاید ٹھہر جائیں لیکن مجھے یقین نہیں۔ تاہم آپ انہیں ضرور مجبور کریں۔ وہ جس دن سے آئے ہیں، میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے دنیا کی بادشاہت مل گئی ہے۔ آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔ آپ ضرور کوشش کریں۔ شاید ہو آپ کا کہا مان لیں۔

نعیم زرہ بکتر اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر باہر نکلا۔ گاؤں کے لوگوں نے اسے دیکھ کر ایک ساتھ شور مچانا شروع کیا۔ ہم نہیں جانے دیں گے۔ ہم نہیں جانے دیں



گے۔

نعیم اپنے مخلص میزبانوں کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ہاتھ بلند کیا۔ وہ تمام یکے بعد دیگرے خاموش ہو گئے۔

نعیم نے ایک مختصر سی تقریر کی۔

برادران! اگر میں اپنے فرائض کی وجہ سے مجبور نہ ہوتا تو مجھے اس جگہ چند دن اور ٹھہر جانے پر اعتراض نہ ہوتا لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جہاد ایک ایسا فرض ہے کہ جسے کسی بھی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ میں آپ کی محبت کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ امید ہے کہ آپ مجھے خوشی سے اجازت دے دیں گے۔

نعیم نے اپنی تقریر بھی ختم نہ کی تھی کہ ایک چھوٹا سا لڑکا چلا اٹھا۔ ہم نہیں جانے دیں گے! نعیم نے آگے بڑھ کر کمرے کے بچے کو اٹھالیا اور اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ مجھے آپ لوگوں کے احسانات ہمیشہ یاد رہیں گے۔ اس بستی کا تصور مجھے ہمیشہ مسرور کرتا رہے گا۔ جب میں اس بستی میں آیا تھا تو ایک اجنبی تھا۔ اب جب کہ چند ہفتوں کے بعد میں رخصت ہو رہا ہوں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ اپنے عزیز ترین بھائیوں سے جدا ہو رہا ہوں۔ اگر خدا نے چاہا تو ایک بار پھر میں یہاں آنے کی کوشش کروں گا۔

اس کے بعد نعیم نے ان لوگوں کو چند نصیحتیں کیں اور دعا کے بعد لوگوں سے مصافحہ کرنا شروع کیا۔ ہومان بھی دوسرے لوگوں کی طرح اپنی مرضی کے خلاف راضی ہو چکا تھا۔ وہ نعیم کے لیے اپنا خوبصورت سفید گھوڑا لے آیا اور نہایت خلوص کے ساتھ یہ تحفہ قبول کرنے کی درخواست کی۔

نعیم نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ ہومان اور گاؤں کے پندرہ نوجواب نے نعیم کے ساتھ جہاد پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن نعیم کے اس وعدے پر کہ وہ اپنے لشکر میں پہنچ کر ضرورت کے وقت انہیں بلا بھیجے گا۔ وہ مطمئن ہو کر ٹھہر گئے۔ نعیم نے رخصت ہونے سے پہلے ادھر ادھر دیکھا لیکن نرگس نظر نہ آئی۔ وہ اسے الوداع کہے بغیر رخصت نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لیکن اس وقت اس کے متعلق کسی سے سوال کرنا بھی مناسب نہ تھا۔

ہومان سے مصافحہ کرتے ہوئے نعیم نے عورتوں کے ہجوم پر سرسری نظر ڈالی۔ نرگس شاید اس کا مطلب سمجھ گئی اور ہجوم سے علیحدہ ہو کر نعیم سے کچھ دور کھڑی ہو گئی۔ نعیم گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس نے نرگس کے چہرے پر الوداعی نگاہ ڈالی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ نرگس کی آنکھیں نعیم کی آنکھوں کے مقابلے میں جھپکیں۔ وہ پتھر کی ایک مورتی کی طرح بے حس و حرکت کھڑی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نعیم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نعیم درد کی اس شدت سے واقف تھا جس سے آنکھوں کے آنسو بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ وہ اس دگداز منظر کی تاب نہ لاسکا۔ اس کا دل بھرا آیا لیکن جانے سے ٹھہر جانا مشکل نظر آتا تھا۔ نعیم نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ ہومان اور گاؤں کے چند آدمی کچھ دور تک اس کے ساتھ جانا چاہتے تھے لیکن اس نے انہیں منع کیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

لوگ اُونچے اُونچے ٹیلوں پر چڑھ کر نعیم کے آخری جھلک دیکھ رہے تھے لیکن نرگس وہیں کھڑی رہی۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے پاؤں زمین کے ساتھ پیوست ہو چکے ہیں اور اس میں ہلنے کی طاقت نہیں رہی۔ اس کی چند سہیلیاں اس کے گرد جمع ہو گئیں۔ زمر جو سب سے زیادہ بے تکلف اور ہم راز تھی، مغموم صورت

بنائے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے گاؤں کی عورتوں کو جمع ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا:

تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ جاؤ اپنے اپنے گھر!

چند عورتیں وہاں سے کھسک گئیں مگر بعض وہیں کھڑی رہیں۔ زمر نے زگس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ چلو زگس!

زگس نے چونک کر زمر کی طرف دیکھا اور بغیر کچھ کہے زمر کے ساتھ خیمے کے اندر داخل ہو گئی۔ وہ پوستان جسے نعیم اوڑھا کرتا تھا۔ وہیں پڑی ہوئی تھی۔ زگس نے بیٹھتے ہوئے پوستان اٹھائی۔ اپنا چہرہ اس میں چھپا لیا۔ آنکھوں میں رُکے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔ زمر دیر تک اس کے پاس کھڑی رہی۔ بالآخر اس نے زگس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا زگس! تم مایوس ہو گئیں۔ میں نے انہیں کئی دفعہ وعظ میں یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ ہمیں خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ وہ مانگنے والوں کی ہر شے بخش سکتا ہے۔ اٹھو زگس باہر چلیں! وہ ضرور آئیں گے۔

زگس آنسو پونچھتے ہوئے زمر کے ساتھ باہر نکلی۔ بستی کی ہر چیز پر اُدا سی چھا رہی تھی۔

(۴)

دوپہرے وقت آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ بستی کے باہر کھجوروں کے ایک گھنے جھنڈ کے نیچے چند آدمی جمع تھے۔ ان میں بعض باتیں کر رہے تھے اور باقی سو رہے تھے۔ ان لوگوں کی گفتگو کا موضوع قنیہ، محمد بن قاسم

کانام سن کرا یک شخص جو نیند کے نشے میں جھوم رہا تھا، ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔

محمد بن قاسم؟ ارے وہ کیا بہادر ہے؟ سندھ کے ڈرپوک راجاؤں کو بھگا دیا تو بہادر بن بیٹھا لوگ تو اس سے اسے لیے ڈرتے ہیں کہ وہ حجاج کا بھتیجا ہے۔ اس سے تو طارق اچھا ہے۔ اس نے یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔

اس پر محمد بن قاسم کے مداح کو طیش آیا تو اس نے کہا۔ چاند پر تھوکنے سے اپنے ہی منہ پر چھینٹے پڑتے ہیں۔ آج اسلامی دنیا میں محمد بن قاسم کے مقابلے کا کوئی آدمی نہیں ہے۔

تیسرا بول اٹھا۔ محمد بن قاسم کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن یہ کہنے کے لیے تیار نہیں کہ آج اسلامی دنیا میں اس کا کوئی مد مقابل نہیں۔ میرا خیال ہے طارق کے مقابلے کا کوئی سپاہی نہیں۔

چوتھے نے کہا یہ بھی غلط ہے۔ قتیبہ ان دونوں سے بہادر ہے۔

طارق کے مداح نے کہا۔ لاحول ولا قوۃ۔ کہاں طارق اور کہاں قتیبہ۔ یہ تو ہم مان لیتے ہیں کہ قتیبہ محمد بن قاسم سے اچھا ہے لیکن طارق سے اسے کوئی نسبت نہیں۔

تمہارا ذلیل منہ اس قابل نہیں کہ تم محمد بن قاسم کا نام لو۔ ابن قاسم کے مداح نے پھر طیش میں آ کر کہا۔

اور تمہارا ذلیل منہ اس قابل نہیں کہ تم میرے ساتھ کلام کرو! طارق کے مداح نے جواب دیا۔ اس پر دونوں تلواریں کھینچ کر ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ ابھی لڑائی شروع ہوئی تھی کہ عبداللہ گھوڑے پر آتا دکھائی دیا۔ عبد



اللہ نے کچھ فاصلے پر سے یہ منظر دیکھ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آن کی آن میں ان کے درمیان آکھڑا ہوا اور تیغ آزمائی کی وجہ پوچھی۔ ایک شخص نے جواب دیا۔ یہ اس بات کا فیصلہ کر رہے ہیں کہ طارقؓ اچھا ہے یا محمد بن قاسمؓ۔

ٹھہر و عبد اللہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور لڑنے والے بھی عبد اللہ کی طرف دیکھنے لگے۔ تم دونوں غلطی پر ہو۔ محمد بن قاسمؓ یا طارقؓ تمہاری تعریف یا مذمت سے بے نیاز ہیں۔ تم مفت میں ایک دوسرے کی گردن کیوں کاٹتے ہو؟ سنو! طارقؓ کبھی یہ گوارا نہیں کرے گا کہ کوئی اسے محمد بن قاسمؓ سے اچھا کہے اور محمد بن قاسمؓ بھی یہ سن کر خوش نہ ہو گا کہ وہ طارقؓ سے اچھا ہے، وہ لوگ جو خدا کے حکم پر سب کچھ قربان کر دینے کی خواہش سے میدان جنگ میں جاتے ہیں، ایسی سطحی باتوں سے بے نیاز ہیں۔ تم اپنی تلواریں نیام میں ڈالو اور انہیں ان کے حال پر رہنے دو۔

یہ سن کے تمام لوگ خاموش ہو گئے اور لڑنے والوں نے نام ہو کر تلواریں نیاموں میں ڈالیں اس کے بعد تمام لوگ اٹھ کر عبد اللہ سے مصافحہ کرنے لگے۔ عبد اللہ نے ایک شخص سے اپنے گھر کا حال دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا۔

آپ کے گھر میں ہر طرح خیریت ہے۔ میں نے کل آپ کا بچہ دیکھا تھا۔ ماشاء اللہ! آپ کی طرح جوانمرد ہو گا۔

میرا بچہ! عبد اللہ نے سوال کیا۔

آپ کو ابھی تک خبر نہیں پہنچی۔ آپ تو ماشاء اللہ تین چار ماہ سے ایک ہونہار بیٹے کے باپ بن چکے ہیں۔ کل میری بیوی آپ کے گھر سے اٹھ لائی تھی۔ میرے بچے اسے دیر تک کھلاتے رہے۔ بہت خوش طبع لڑکا ہو گا۔



عبداللہ نے حیا سے آنکھیں جھکا لیں اور لوگوں کو چھوڑ کر گھر کی راہ لی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ ایک ہی جست میں گھر پہنچ جائے لیکن لوگوں سے شرماتے ہوئے گھوڑے کو معمولی رفتار سے جانے دیا۔ جب وہ درختوں کی آڑ میں اس کی نظروں سے غائب ہو گئے تو اس نے گھوڑے کو سر پٹ دوڑا دیا۔

عبداللہ گھر میں داخل ہوا تو عذرا کھجور کے سایہ میں چار پائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے دائیں طرف ایک خوبصورت بچہ لیٹا ہوا انگوٹھا پُوس رہا تھا۔ عبداللہ بغیر کچھ کہے ایک کرسی آگے بڑھا کر عذرا کے بستر کے قریب بیٹھ گیا۔ عذرا نے ایک شرمیلی نگاہ شوہر کے چہرے پر ڈالی اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ عبداللہ مسکرا دیا۔ عذرا نے آنکھیں جھکا لیں۔ بچے کو گود میں اٹھایا اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ عبداللہ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر عذرا کے ہاتھ پکڑ کر چومنا پھر آہستہ سے بچے کو اٹھایا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اپنی گود میں لٹا کر اس کی طرف غور سے دیکھا۔ بچہ عبداللہ کی کمر کے ساتھ لٹکتے ہوئے خنجر کے چمک دار دستے کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ اور جب اس نے ادھر ادھر ہاتھ مارتے ہوئے اسے پکڑ لیا تو عبداللہ نے اپنے خنجر کا دستہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ بچہ خنجر کے دستے کو منہ لگا کر پُوسنے لگا۔

عذرا نے اس کے ہاتھ سے خنجر کا دستہ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔  
اچھا کھلونا لے کر آئے ہیں آپ!

عبداللہ نے مسکرا کر کہا۔ مجاہد کے بچے کے لیے اس سے اچھا کھلونا اور کیا ہو سکتا ہے؟

جب ایسے کھلونوں کے ساتھ کھیلنے کا وقت آئے گا تو انشاء اللہ اسے بُرا کھلاڑی

نہ دیکھیں گے!

عذرا! اس کا نام کیا رکھا؟

آپ بتائیں؟

عذرا مجھے تو ایک ہی نام پیدر لگتا ہے۔

بتائیے!

نعیم۔ عبداللہ نے مغموں سا ہو کر جواب دیا۔

یہ سن کر عذرا کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ اس نے کہا:

مجھے یقین تھا کہ آپ یہی نام پسند کریں گے۔ اس لیے میں نے پہلے ہی یہ نام

رکھ دیا ہے۔

(۵)

نرگس کی بستی سے رخصت ہو کر کوئی پچاس کوس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد نعیم نے تاتاری چرواہوں کی ایک اور چھوٹی سے بستی میں رات بسر کی۔ وہ ان لوگوں کی راہ و رسم سے واقف تھا۔ اس لیے جائے قیام ڈھونڈنے میں اسے کوئی دقت پیش نہ آئی۔ بستی کا سردار نے اُسے اسلامی فوج کا ایک نیا افسر خیال کرتے ہوئے اس کی ہر ممکن تواضع کی۔ شام کا کھانا کھانے کے بعد نعیم سیر کے لیے نکلا۔ وہ بستی سے زیادہ دور نہ گیا تھا کہ کچھ فاصلے پر فوجی نقاروں کی آواز سنائی دی۔ اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ گاؤں کے لوگ بدحواسی کی حالت میں اپنے گھروں سے نکل کر ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں۔ نعیم بھاگتا ہوا اُن کے قریب پہنچا اور ان سے اس پریشانی کی وجہ پوچھی۔

گاؤں کے سردار نے کہا۔ نزاق کی افواج مسلمانوں کے لشکر پر ایک ناکام حملہ کر کے پسپا ہونے کے بعد فرغانہ کی طرف بڑھ رہی ہیں مجھے اطلاع ملی ہے کہ ان کے راستے میں جو بستی آتی ہے لوٹ لی جاتی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر وہ راستے سے گزرے تو ہمیں سخت تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ یہیں ٹھہریں۔ میں اس پہاڑی پر چڑھ کر ان کا پتہ لگاتا ہوں۔

نعیم نے کہا میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔

نعیم اور تاتاری سردار بھاگتے ہوئے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچے۔ وہاں اسے انہیں ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر تاتاریوں کا لشکر آنا دکھائی دیا۔ سردار کچھ دیر دم بخود کھڑا رہا۔ آخر وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ کہنے لگا۔ ہم بچ گئے۔ وہ ادھر نہیں آسکیں گے۔ انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میں یہ خیال کرتا تھا کہ آپ کی آمد ہمارے لیے ایک بُرا شگون ہے، لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کوئی آسمانی دیوتا ہیں۔ یہ آپ کی کرامت ہے کہ بھوکے بھیڑیوں کے اس گروہ نے ہماری طرف سے توجہ پھیر لی ہے۔ یہ کہہ کر وہ نعیم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے نیچے اترا۔ اس نے بستی کے لوگوں کو خوش خبری سنائی اور وہ تمام اس کی خبر کی تصدیق کے لیے پہاڑ پر چڑھ گئے۔

شام کا دھند لگاشب کی تاریکی میں تبدیل ہو رہا تھا۔ بستی سے کچھ دُور فرغانہ کی طرف جانے والے راستے فوج کی خفیف سی جھلکی نظر آرہی تھی۔ لیکن گھوڑوں کے ہنہانے کی آواز اور نقاروں کی گونج ہر لمحہ دھیمی پڑ رہی تھی اور یہ لوگ مطمئن ہو کر اچھلتے کودتے گاتے ارناچتے بستی کی طرف لوٹ آئے۔

نعیم کو عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ خواب کے عالم میں مجاہد ایک بار پھر تند گھوڑے پر سوار ہو کر تیروں کی بارش اور تلواروں کے سایہ میں دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ علی الصبح اٹھا اور نماز پڑھنے کے بعد منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔

چند منازل اور طے کرنے کے بعد نعیم کو ایک دن اسلامی لشکر کا پڑاؤ دکھائی دیا۔ وہ مرد سے اپنے لشکر کی غیر متوقع پیش قدمی پر حیران تھا۔ تاہم اسے خیال گزرتا کہ تاریخوں کے حملے نے انہیں قبل از وقت آگے بڑھنے پر مجبور کر دیا ہوگا۔

قتیبہ بن مسلم باہی نے اپنے محبوب جرنیل کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا۔ فوج کے باقی سالاروں نے بھی اس کی آمد پر بے حد مسرت کا اظہار کیا۔

نعیم سے بہت سے سوالات پوچھے گئے۔ ان تمام کے جواب میں اس نے اپنی مختصر سی سرگزشت کہہ سنائی۔ اس کے بعد نعیم نے قتیبہ بن مسلم سے چند سوالات کیے جن کے جواب سے معلوم ہوا کہ وہ تاریخوں کو شکست دے کر مذاق کا تعاقب کر رہا ہے۔

رات کے وقت قتیبہ بن مسلم اپنے چند جرنیلوں اور مشیروں کی مجلس میں پیش قدمی کے لیے مختلف تجاویز پر بحث کر رہا تھا۔ نعیم نے اسے یقین دلایا کہ ابن صادق فرمانہ کو اپنی تازہ سازشوں کا مرکز بنائے گا، اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اس کا تعاقب میں تاخیر نہ کریں۔

صبح کے وقت کوچ کا قنارہ بجایا گیا۔ قتیبہ نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے آگے بڑھنے کے لیے دو مختلف راستے تجویز کیے۔ نصف فوج کی قیادت اپنے ہاتھ

میں لی اور دوسرا حصہ جس میں نعیم شامل تھا۔ اپنے بھائی کے سپرد کیا۔ نعیم چونکہ راستے کے نشیب و فراز سے واقف تھا اس لیے قیدیہ کے بھائی نے اسے ہراول پر متعین کر دیا۔

(۶)

زگس ایک پتھر پر بیٹھی چشمے کے شفاف پانی سے کھیل رہی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں اٹھا کر پانی میں پھینکتی اور پھر آہستہ آہستہ تہہ تک جاتے دیکھتی رہتی۔ جب ایک کنکری پانی کی تہہ تک پہنچ جاتی تو وہ دوسری اٹھا کر پانی کی سطح پر چھوڑ دیتی۔ کبھی کبھی وہ اس کھیل سے اکتا کر سامنے میدان کی طرف دیکھتی جس کی وسیع حدود کے اختتام پر گھنے درختوں کے سبز لباس میں لپٹی ہوئی پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ ان پہاڑیوں کے پیچھے اونچے اونچے پہاڑوں کی سفید برفانی چوٹیاں نظر آرہی تھیں۔ موسم بہار کے آغاز کی کیف آور ہوا چل رہی تھی۔ دائیں جانب سب کے درختوں اور انگوروں کی بیلوں میں شگوفے پھوٹ رہے تھے۔

زگس اپنے خیالات میں محو تھی کہ پیچھے سے زمر دبے پاؤں آ کر ایک پتھر اٹھا کر پانی میں پھینکا۔ پانی اچھلنے سے چند چھینٹے زگس کے کپڑوں پر پڑ گئے۔ زگس نے گھبرا کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ زمر نے قہقہہ لگایا لیکن زگس کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ زمر اپنی ہنسی کو روکتے اور چہرے کو زگس کی طرح سنجیدہ بناتے ہوئے آگے بڑھی اور زگس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

زگس! میں تمہیں آج بہت ڈھونڈا تم یہاں کیا کر رہی ہو؟

کچھ نہیں۔ زگس نے پانی کو ایک ہاتھ سے اچھالتے ہوئے جواب دیا۔



تم کب تک اس طرح گھل گھل کر جان دو گی۔ تمہارا چہرہ پہلے سے آدھا بھی نہیں رہا۔ کس قدر زرد ہو گئی ہو تم؟

زمر! مجھے بار بار تنگ نہ کرو جاؤ!

میں مذاق نہیں کرتی زگس، خدا جانتا ہو کہ میں تمہیں دیکھ کر بجد پریشان ہوتی ہوں۔ یہ کہہ کر زمر نے زگس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور اس کا سراپنی طرف کھینچ کر سینے سے لگالیا۔ زگس نے بھی ایک بیمار بچے کی طرح اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

کاش میں تمہارے لیے کچھ کر سکتی۔ زمر نے زگس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ زگس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے درد بھری آواز میں کہا:

میرے لیے جو ہونتا تھا وہ ہو چکا۔ میں نے پہاڑ کی چوٹی کی دکش مناظر کو دیکھا لیکن راستے کی دُشواریوں پر دھینا نہ کیا۔ زمر! ہو میرے لیے نہیں تھا۔ میں اس کے قابل بھی نہ تھی۔ مجھے اس سے شکایت بھی نہیں۔ میرے جیسی ہزاروں لڑکیاں اس کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے لے لیے ترستی ہوں گی۔ لیکن وہ یہاں کیوں آیا؟ اگر آیا تو چلا کیوں گیا۔ میں اسے دیکھتے ہی بے قرار اور پریشان کیوں ہونے لگی؟ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہوتا لیکن اس میں کوئی ایسی طاقت تھی جو میری زبان پر اس طرح قابو پالیتی تھی۔ میں یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ہم لوگوں سے بہت مختلف ہے۔ اپنے آپ کو اس کے پاؤں میں ڈالنے کی کوشش کی۔ میں اس انجام سے ڈرتی تھی لیکن کاش خوف مجھے اس کنویں میں گرنے سے روک سکتا۔ زمر! میں بچپن ہی سے خواب دیکھا کرتی تھی کہ آسمان سے ایک

شہزادہ اُترے گا اور اس پر دل و جان سے شاہر کرا سے پانا بنالوں گی۔ میرا شہزادہ آیا لیکن میں اُسے اپنا بنانے سے ڈرتی رہی۔ زمر! کیا یہ بھی ایک خواب تھا؟ کیا اس خواب کی کوئی تعبیر ہوگی؟ زمر! زمر! مجھے کیا ہو گیا ہے؟ تم پھر یہی کہو گی کہ میں صبر سے کام نہیں لیتی۔ کاش صبر میرے بس کی بات ہوتی!

زگس! ہر خواب کی تعبیر کے لیے وقت معین ہوتا ہے انتہائی مایوسیوں میں بھی انتظار اور امید ہمارا آخری سہارا ہونا چاہیے۔ خدا سے دعا کیا کرو۔ اس طرح آپیں بھرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اب اُٹھو آؤ سیر کر آئیں۔

زگس اُٹھ کر زمر کے ساتھ چل دی۔ وہ ابھی چند قدم گئی تھیں کہ دائیں طرف سے ایک سوار سر پٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا دکھائی دیا۔ سوار نے لڑکیوں کے قریب آ کر گھوڑا روک لیا۔ زمر اسے دیکھ کر چلا اٹھی۔ زگس زگس۔ تمہارا شہزادہ آ گیا!

طرگس وہیں کی وہیں کھڑی رہی۔ اس کی مملکتِ دل کا بادشاہ سامنے کھڑا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر شبہ ہو رہا تھا۔ اس کے دماغ پر ایک غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ انتہائی خوشی یا انتہائی غم کی اس حالت میں جس کا سامنا کرنے کے بعد بے حس سا ہو جاتا ہے، زگس نے کس خواب کی سی حالت میں چلنے والے کی طرح دو تین قدم اٹھائے اور لڑکھو کر زمین پر گر پڑی۔ نعیم فوراً گھوڑے سے اُترا اور اس نے آگے بڑھ کر سہارا دے کر زگس کو اٹھایا۔

زگس کیا ہوا؟

کچھ نہیں زگس نے آنکھیں کھول کر نعیم کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

مجھے دیکھ کر ڈر گئیں؟

زگس کچھ جواب دیے بغیر دم بخود ہو کر نعیم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے اس قدر قریب سے دیکھنا اس کی توقع سے زیادہ تھا لیکن نعیم اس کی حالت سے مطمئن ہو کر اس سے دو قدم ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ زگس دامن میں آئے ہوئے پھول کی جدائی کا تصور برداشت نہ کر سکی۔ اس کے جسم کے ہر رگ و ریشے میں ایک ارتعاش سا پیدا ہونے لگا۔ وہ نسوانی غرور کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آگے بڑھی اور مجاہد کے قدموں میں جھک گئی۔

نعیم کی طاقت ضبط جواب دے رہی تھی۔ اس نے زگس کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور زمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ زمر! انہیں گھر لے جاؤ! زگس نے باری باری نعیم اور زمر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر ایک بار زمر کی طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھا اٹھا کر گھر کا رخ کیا۔ نعیم نے زمر کی طرف دیکھا۔ وہ اسی جگہ کھڑی تھی۔

نعیم نے گمگین لہجے میں کہا۔ زمر! جاؤ اسے تسلی دو!

زمر نے جواب دیا۔ کیسی تسلی؟ آپ نے آکر اس کا آخری سہارا بھی توڑ دیا ہے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ آپ نہ آتے۔

میں ہومان سے ملنے آیا تھا۔ وہ کہاں ہے؟

وہ شکار کھیلنے گیا ہوا ہے۔

پھر میرا گھر جانا بے سود ہے۔ ہومان کو میرا سلام کہنا اور اسے بتا دینا کہ مجبوری

کی وجہ سے نہیں ٹھہر سکا۔ ہماری فوج فرغانہ کی طرف جارہی ہے۔

نعیم یہ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہوا لیکن زمر نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا۔ میں تو سمجھا کرتی تھی کہ آپ سے زیادہ نرم دل انسان اور کوئی نہیں ہوگا لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ آپ مٹی کے بنے ہوئے نہیں ہیں۔ کسی اور چیز کے بنے ہوئے ہیں۔ اب تو اس بدنصیب کے جسم میں جان بھی نہیں رہی۔

زمر! ادھر دیکھو۔ نعیم نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ زمر نے اس طرف دیکھا۔ ایک لشکر آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے کہا شاید کوئی فوج آرہی ہے۔

نعیم نے کہا۔ وہ ہماری فوج آرہی ہے۔ میں ہومان سے چند باتیں کرنے کے لیے فوج سے آگے نکل آیا تھا۔

زمر نے کہا۔ آپ ٹھہریں۔ شاید ہو آج رات آجائے۔

اس وقت میرا ٹھہرنا محال ہے۔ میں پھر آؤں گا۔ زگس کے دل میں میرے متعلق شاید غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔ تم اسے جا کر تسلی دو۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ اس قدر کمزور دل کی مالک ہے۔ اسے اطمینان دلاؤ کہ میں ضرور آؤں گا۔ میں اس کے دل کی کیفیت سے واقف ہوں۔

زمر نے جواب دیا۔ جہاں تک باتوں کا تعلق ہے میں اسے پہلے ہی تسلی دیا کرتی ہوں۔ لیکن اب شاید وہ میری باتوں کا یقین نہ کرے۔ کاش آپ نے اپنے منہ سے تسلی کا ایک لفظ ہی کہہ دیا ہوتا۔ اب اگر آپ اس کے لیے کوئی نشانی دے

سکیں تو شاید اس کی تسلی کر سکوں۔

نعیم نے ایک لمحہ کے لیے سوچا اور جیب سے رو مال نکال کر زمر کو پیش کیا اور کہا:

یہ اسے دے دینا!

بستی کے لوگ فوج کی آمد سے باخبر ہو کر بدحواسی میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ نعیم نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور انہیں بتایا کہ کوئی خطرے کی بات نہیں وہ مطمئن ہو کر نعیم کے گرد جمع ہو گئے۔ نعیم گھوڑے سے اتر کر ہر ایک سے بغلیں ہوا۔ اتنے میں فوج بستی کے قریب آ گئی۔ اخوت اسلام کا رشتہ عجیب تھا۔ یہ لوگ نعیم کے ساتھ اسلامی فوج کے استقبال کے لیے نکلے۔ نعیم نے سپہ سالار سے ان کا تعارف کرایا۔ فوج کے عزائم سے واقف ہو کر چند لوگوں نے جہاد پر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ سپہ سالار نے انہیں فوراً تیار ہو جانے کا حکم دیا۔ ان سب لوگوں میں سے زیادہ بے تابی ظاہر کرنے والا نرگس کا ایک چچا بر مک تھا جو اپنی زندگی کی پچاس بہاریں دیکھنے کے باوجود قوع ہیکل اور تنومند تھا۔ ان لوگوں کو تیاری کا موقع دینے کے لیے فوج کو کچھ دیر قیام کا حکم مل گیا۔

ایک ساعت کے بعد بیس آدمی تیار ہو گئے اور فوج کو آگے بڑھنے کا حکم ہوا۔ بستی کی عورتیں فوج کے کوچ کا منظر دیکھنے کے لیے ایک پہاڑی پر جمع ہو گئیں۔ نعیم سب سے آگے ہراول کی رہنمائی کر رہا تھا۔ نرگس اور زمر د عورتوں سے الگ اور راہ گزر سے ذرا زیادہ قریب کھڑی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ نرگس کے ہاتھ میں نعیم کا رو مال تھا۔



زمر نے نعیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

زگس تمہارا شہزادہ تو سچ مچ شہزادہ نکلا!

زگس نے جواب دیا۔ کاش وہ میرا ہو۔

تمہیں اب بھی یقین نہیں آتا؟

یقین آتا بھی ہے اور نہیں بھی۔ جب مایوسی کی گھٹائیں ایک بار امید کا چراغ  
بُجھا دیتی ہیں تو پھر اس کو روشن کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر سچ پوچھو تو مجھے تمہاری  
باتوں کا پورا پورا یقین نہیں آتا۔ زمر! سچ کہو، تم مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہی؟

نہیں زمر تم قسم کھاؤ!

تمہیں کس قسم پر اعتبار آئے گا؟

تم اپنے شہزادے کی قسم کھاؤ۔

کون سے شہزادے کی؟

ہو مان کی!

تمہیں کس نے بتایا کہ وہ میرا شہزادہ ہے؟

تم نے۔

کب؟

اس دن جب وہ ریچھ کے شکار سے زخمی ہو کر آیا تھا اور تم نے ساری رات

آنکھوں میں کاٹی تھی۔

اس سے تم نے کیا اندازہ لگایا؟

زمرد! بھلا تم مجھ سے کیا چھپا سکتی ہو۔ مجھ پر بھی ایسا وقت گزر چکا ہے۔ تمہیں یاد نہیں رہا کہ وہ بھی زخمی ہو کر آئے تھے۔

اچھا تو اگر میں ان کی قسم کھاؤں تو تمہیں یقین آ جائے گا؟  
شاید آ جائے۔

اچھا میں ہومان کی قسم کھاتی ہوں کہ میں مذاق نہیں کرتی۔

زمرد۔ زمرد۔ زنگس نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ اگر تم مجھے بار بار تسلی نہ دیتیں تو شاید میں مر گئی ہوتی۔ تم نے ان سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ کب آئیں گے؟

وہ بہت جلد آئیں گے۔ اگر جلد نہ آئیں گے تو۔۔۔۔۔!

تو؟ زنگس نے بدحواس ہو کر پوچھا۔

زمرد نے شرماتے ہوئے کہا تو میں تمہارے بھائی کو انہیں لانے کے لیے بھیج دوں گی۔

## سفیر

چھ ماہ گزر گئے لیکن نعیم نہ آیا۔ اس دوران میں قتیبہ نزا ق کو قتل کر کے ترکستان کی بغاوت کی آگ بہت حد تک ٹھنڈی کر چکا تھا۔ نزا ق کا زبردست حلیف شاہ جرجان بھی قتل ہو چکا تھا۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد قتیبہ سُغد کے بقیہ علاقوں کو فتح کرتا ہوا سیستان تک جا پہنچا۔ وہاں سے شمال کی طرف لوٹا اور خوارزم جا پہنچا۔ شاہ خوارزم نے جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔ خوارزم میں خبر ملی کے اہل سمرقند عہد شکنی کر کے بغاوت کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

قتیبہ فوج کے چند دستوں کے ساتھ یلغار کرتا ہوا سمرقند پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ شہر محفوظ فصیل اور قلعے کی مضبوطی کے لحاظ سے بخارا سے کم نہ تھا۔ قتیبہ نے نہایت اطمینان سے محاصرہ جاری رکھا۔ تین مہینوں کے بعد شاہ سمرقند نے صلح کی درخواست کی، جواب میں قتیبہ نے صلح کی شرائط لکھ بھیجیں۔ بادشاہ نے یہ شرائط منظور کر لیں اور شہر کے دروازے کھول دیے گئے۔

سمرقند کے ایک صنم خانے میں ایک بُت کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ جو شخص اسے ہاتھ لگاتا ہے فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔ قتیبہ اس صنم خانے میں داغ ہوا اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنے کے بعد ایک ہر ضرب سے اس خوفناک مجسمے کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ اس بُت کے شکم سے ۵۰ ہزار مثقال سونا برآمد ہوا۔ قتیبہ کی جرات دیکھ کر اور اسے اس مقدس دیوتا کے غضب سے محفوظ پا کر سمرقند کے بے شمار لوگوں نے کلمہ تو حید پڑھ لیا۔

قتیبہ بن مسلم اپنی فتوحات اور شہرت کی آخری حدود تک پہنچ چکا تھا۔ ۹۵ھ میں اس نے فرغانہ کا رخ کیا اور بہت سے شہر فتح کیے۔ اس کے بعد وہ اسلامی پرچم لہراتا ہوا کاشغر تک جا پہنچا۔ آگے مملکت چین کی حدود تھیں۔

قتیبہ کاشغر سے چین کے شمال مغربی سرحد پر حملے کی تیاری کرنے لگا۔ شاہ چین نے قتیبہ کے عزائم سے باخبر ہو کر اس کی پاس اپنا ایلچی بھیجا اور صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے مسلمانوں کی ایک سفارت طلب کی۔ سفارت کے فرائض انجام دینے کے لیے قتیبہ نے ہمیرہ اور نعیم کے علاوہ پانچ اور تجربہ کار افسر منتخب کیے۔

(۲)

شاہ چین کے سفارت خانے میں ہمیرہ اور نعیم اور ان کے دوسرے ساتھی ایک خوبصورت قالین پر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

قتیبہ کو کیا اطلاع بھیجی جائے؟ ہمیرہ نے نعیم سے سوال کیا۔

شاہ چین کا لشکر ہمارے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ آپ نے دیکھا وہ کس رعونت سے ہمارے ساتھ پیش آیا ہے۔

نعیم نے کہا۔ وہ شاہ ایران سے زیادہ مغرور نہیں اور نہ طاقت میں ہی اُس سے زیادہ ہے۔ اس کے آرام طلب سپاہی ہمارے گھوڑوں کے سموں کی آواز سن کر بھاگ جائیں گے۔ ہم نے اپنی شرائط پیش کر دی ہیں۔ اس کا جواب آنے تک انتظار کیجئے۔ فی الحال قتیبہ کو لکھ دیجئے کہ چین کی تسخیر کے لیے نئی فوجوں کی ضرورت نہیں ہے۔ لڑائی کی نوبت آئی تو ہمارے سپاہی جو ترکستان میں موجود ہیں۔ اس ملک کو فتح کرنے کے لیے کافی ہیں۔

ایک درباری کمرے میں داخل ہوا اور اس نے جھک کر ہبیرہ اور اس کے ساتھیوں کو سلام کیا اور کہا۔ جہاں پناہ پھر ایک بار آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

ہبیرہ نے جواب دیا۔ آپ اپنے بادشاہ سے کہیں کہ ہم اپنی شرائط میں رد و بدل نہں کر سکتے۔ اگر اسے ہماری شرائط منظور نہیں تو ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

جہاں پناہ شرائط کے علاوہ آپ سے چند باتیں اور بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے حکم ہوا ہے کہ آپ میں اسے ایک صاحب کو ان کی خدمت میں لے جاؤں۔ جہاں پناہ اس بات کو محسوس کرتے ہوئے کہ آپ لوگ اتنی دور سے مال و زر کی ہوس میں لوٹ مار کرتے ہوئے آئے ہیں۔ آپ کو کچھ عطیہ دے کر دوستوں کی طرح رخصت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کے ملک اور قوم کے متعلق بھی کچھ جاننا چاہتے ہیں۔

نعیم نے اپنی تلوار درباری کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ اسے لے جاؤ۔ یہ تمہارے بادشاہ کے ہر سوال کا جواب دے گی!

آپ کی تلوار؟ درباری نے حیران ہو کر کہا۔

ہاں، اپنے بادشاہ سے کہو کہ اس تلوار کی دھار پر ہماری قوم کی تمام داستان لکھی ہوئی ہے اور اسے یہ بھی بتاؤ کہ ہم اس کے تمام خزانوں کے مجاہدوں کے گھوڑوں سے اڑنے والی گرد کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔

درباری نے نادم ہو کر کہا۔ جہاں پناہ کا مقصد آپ کو ناراض کرنا نہیں۔ وہ آپ کی جرات کا اعتراف کرتے ہیں۔ آپ ایک بار ملاقات کریں۔ مجھے یقین ہے



کہ اس ملاقات کے نتائج خوش گوار ہوں گے۔

ہمیرہ نے نعیم سے عربی زبان میں کہا۔ ہمیں بادشاہ کو ایک موقع دینا چاہیے۔  
آپ جا کر تبلیغ کریں!

نعیم نے جواب دیا۔ آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔

میں آپ کو اس لیے بھیج رہا ہوں کہ آپ کی زبان اور تلوار دونوں بہت  
تیز ہیں۔ آپ مجھ سے موثر گفتگو کر سکیں گے۔

نعیم یہ سن کر اٹھا اور درباری کے ساتھ ہولیا۔

دربار میں داخل ہونے سے پہلے دروازہ پر ایک شاہی غلام سنہری طشتی میں  
ایک زرتار جبہ لے کر حاضر ہوا لیکن نعیم نے اسے پہنے سے انکار کر دیا۔

درباری نے کہا۔ آپ کی قمیض بہت پرانی ہے۔ آپ بادشاہ کے دربار میں جا  
رہے ہیں نعیم نے جواب دیا۔ تمہارے قیمتی لباس تمہیں شاہوں کے دربار میں سر  
نگوں ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں لیکن تم دیکھو گے کہ میری پھٹی پرانی قمیض مجھے  
تمہارے بادشاہ کے سامنے گردن جھکانے کی اجازت نہیں دے گی۔

نعیم کاموٹے اور گھر دُورے چڑے کا ہوتا گردا لود تھا۔ ایک غلام نے جھک کر  
اُسے ریشمی کپڑے کے ساتھ صاف کرنا چاہا۔ نعیم نے اسے بازو سے پکڑ کر اُپر اٹھایا  
اور کچھ کہے بغیر آگے چل دیا۔

شاہ چین اپنی ملکہ کے ساتھ ایک سنہری تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے زرد  
چہرے پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ ملکہ بھی اگرچہ ادھیڑ عمر تھی لیکن اس کا سڈول چہرہ

گزری ہوئی جوانی کے حُسن بہار کا پتہ دے رہا تھا۔ وہ فرخانہ کے شاہی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے چہرے کے نقوش چینی عورتوں کی نسبت ذرا تیکھے تھے۔ ولی عہد گلے میں جواہرات کی ایک بیش قیمت مالا پہنے ہوئے تھا۔ بادشاہ کے بائیں جانب چند لونڈیاں شراب کے جام اور صراحیاں لیے کھڑی تھیں۔ ان کے درمیان حسن آراء ایک پرانی لونڈی اپنی شکل و شباهت سے دوسری لونڈیوں سے ممتاز نظر آتی تھی۔ اس کے لمبے لمبے بال سنہری بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ سر پر سبز رنگ کا ایک رومال تھا۔ وہ سیاہ رنگ کی ایک قمیض پہنے ہوئے تھی جو کمر سے اوپر اور جسم کے ساتھ اس حد تک پبوست تھی کہ سینے کا ابھار صاف طور پر نظر آ رہا تھا۔ نیچے نیلے رنگ کا کھلا پاجامہ تھا۔ حُسن آرا باقی تمام عورتوں سے بلند قامت تھی۔

نعیم ایک فاتح کی طرح دربار میں داخل ہوا۔ بادشاہ اور درباریوں پر ایک نگاہ دوڑائی اور السلام علیکم کہا۔

بادشاہ نے اپنے درباریوں کی طرف اور درباریوں نے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ نعیم نے سلام کا جواب نہ پا کر بادشاہ کے چہرے پر ایک گہری نگاہ ڈالی۔ بادشاہ نے مجاہد کی تیزی نظر کی تاب نہ لا کر آنکھیں جھجھکالیں۔ ولی عہد اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے نعیم کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ نعیم اس کے ساتھ مصافحہ کر کے اس کے اشارے سے ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

بادشاہ نے اپنی ملکہ کی طرف دیکھا اور تاتاری زبان میں کہا۔ مجھے یہ لوگ بہت دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ہمارا ملک فتح کرنے آئے ہیں۔ ذرا ان کا لباس تو دیکھان!

نعیم نے جواب دیا۔ سپاہی کی طاقت کا اندازہ اس کے لباس سے نہیں بلکہ اس کی تلوار کی تیزی اور بازو کی قوت سے لگانا چاہیے۔

شاہ چین کا خیال تھا کہ نعیم تاتاری زبان سے بے بہرہ ہے لیکن اس جواب نے اسے پریشان کر دیا۔ اُس نے کہا۔ خوب! تم تاتاری زبان جانتے ہو نو جوان! میں تمہاری جرات کی داد دیتا ہوں لیکن اگر تم اپنی طاقت کی آزمائش کے لیے کوئی اور مد مقابل چنتے تو شاید تمہارے لیے اچھا ہوتا۔ تم اس سلطنت کے بادشاہ کو ترکستان کے چھوٹے چھوٹے نام نہاد حکمرانوں جیسا سمجھنے کی غلطی کرتے ہو۔ میرے برق رفتار گھوڑے تمہارے مغرور سروں کو پیش ڈالیں گے۔ تم نے جو کچھ حاصل کیا ہے۔ اس پر قناعت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم چین کو فتح کرتے کرتے ترکستان بھی کھو بیٹھو!

نعیم جوش میں آ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ تلوار کے قبضے پر رکھتے ہوئے کہا۔ مغرور بادشاہ! یہ تلوار ایران اور روم کے شہنشاہوں کو خاک میں ملا چکی ہے۔ تم اس کی ضرب کی تان نہیں لاسکو گے۔ تمہارے گھوڑے ایرانیوں کے ہاتھیوں سے زیادہ طاقتور نہیں!

نعیم کے الفاظ سے دربار پر ایک سناٹا چھا گیا۔ بادشاہ نے اپنے سرک و خفیف سی جنبش دی، حسن آرانے آگے بڑھ کر جام شراب پیش کیا اور پھر اپنی جگہ پر آ کھڑی ہوئی۔

ایک لونڈی نے حسن آراء کے کان میں آہستہ سے کہا۔ جہاں پناہ جلال میں آرہے ہیں یہ نو جوان حد سے زیادہ تجاوز کر رہا ہے۔

حسن آراء نے نعیم کو ایک دلفریب تبسم کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ بے و

قونی کی حد تک بہادر ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ ایسی جرات کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔

بادشاہ نے شراب کے چند گھونٹ پیئے اور نعیم کی طرف دیکھتے ہوئے کیا۔

نو جوان! میں پھر ایک بار تمہاری جرات کی داد دیتا ہوں۔ ہمارے دربار میں آج تک کسی کو اس طرح بولنے کی جرات نہیں ہوئی۔ یہ خیال نہ کرنا کہ ہم تمہاری دھمکیوں سے مرعوب ہو جائیں گے۔ تمہاری بہادری کا امتحان بھی ہو جائے گا لیکن ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تم لوگ دنیا کی پُر امن سلطنتوں میں بد امنی کیوں پیدا کرتے پھرتے ہو۔ تمہیں اگر حکومت کا لالچ ہے تو تمہاری سلطنت پہلے ہی بہت وسیع ہے۔ اگر دولت کی حرص ہے تو ہم خوشی سے تمہیں بہت کچھ عطا کر دیں گے۔ تمہارا دامن سونے اور چاندی سے بھر دینے کے باوجود ہمارے خزانوں میں کمی نہیں آسکتی۔ مانگو کیا مانگتے ہو؟

نعیم نے جواب دیا۔

ہم اپنی شرائط پیش کر چکے ہیں۔ آپ نے ہمارے متعلق غلط اندازہ لگایا۔ ہم دُنیا میں بد انتظامی پیدا کرنا نہیں چاہتے لیکن ہم اس امن کے قائل نہیں جس میں ایک طاقتور کا ظلم ایک کمزور کو اپنی بے بسی پر قانع رہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ہم تمہارے دُنیا کے امن کے لیے ایک عالم گیر قانون نافذ کرنا چاہتے ہیں جس میں طاقتور کا ہاتھ کمزور سے بلند نہ ہو جس میں آقا و بندہ کی تمیز نہ ہو، جس میں بادشاہ اور رعایا کے درمیان کوئی وجہ امتیاز باقی نہ رہے اور وہ قانون اسلام ہے۔ ہمیں دولت اور حکومت کا لالچ نہیں بلکہ ہم دُنیا کے استبدادی طاقتوں سے مظلوموں کے کھوئے ہوئے حقوق واپس دلانے کے لیے آئے ہیں۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ہم دُنیا کی وسیع



ترین حکومت کے مالک ہونے کے باوجود بھی دنیوی جاہ و حشمت سے بے نیاز ہیں۔

نعیم یہاں تک کہہ کر بیٹھ گیا۔ دربار پر ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔

حسن آراء نے ایک ساتھ والی لونڈی سے کہا۔ مجھے اس خوش وضع نو جوان پر رحم آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زندگی سے تنگ آچکا ہے۔ جہاں پناہ کے ہاتھ کا معمولی اشارہ اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دے گا۔ لیکن میں حیران ہوں کہ جہاں پناہ آج ضرورت سے زیادہ رحم دل ثابت ہو رہے ہیں۔ دیکھیں اس کا حشر کیا ہوتا ہے؟ اس جوانی میں موت کو مفت خریدنا کتنی حماقت ہے؟

بادشاہ نے نعیم کی تقریر کے دوران میں ایک دو مرتبہ بے چینی سے پہلو بدلا اور کوئی جواب دینے کی بجائے اپنے تمام درباریوں کی طرف نگاہ دوڑائی۔ پھر ملکہ کی طرف دیکھا اور چینی زبان میں چند باتیں کرنے کے بعد نعیم سے کہا۔ ہم اس معاملے پر پھر گفتگو کریں گے۔ آج ہماری مرضی کے خلاف بہت سی دلائل باتیں ہوئی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس مجلس میں کوئی دلچسپی کا سامان پیدا کیا جائے۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے حسن آراء کی طرف دیکھا اور ہاتھ سے اشارہ کیا حسن آراء آگے بڑھی اور بادشاہ اور درباریوں کے درمیان آکھڑی ہو گئی۔ نعیم کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ پاؤں کو جنبش دے کر ہاتھ دونوں طرف پھیلا دیے۔ ایک ریشمی پردے کے پیچھے سے طاؤسے و رباب کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ حسن آراء دھیمے سروں کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی تخت کے قریب دوڑا نو بیٹھ گئی۔ بادشاہ نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ حسن آراء نے ادب سے چوما اور اٹھ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ طاؤس و رباب کی صدائیں یک لخت بلند ہوئے۔ حسن آراء بجلی کی سی تیزی سے



اپنے گرد چکر لگا کر رقص کرنے لگی۔ اس کے جسم کا ہر عضو اپنی نزاکت اور جاؤ بیت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ وہ کبھی سر کو جھٹکا دے کر لمبے لمبے بالوں کو اپنے حسین چہرے پر بکھیر لیتی اور کبھی سر کو جنبش دے کر بالوں کو پیچھے ہٹاتی اور اپنے حسین چہرے کو اچانک بے نقاب کر کے تماشا یوں کو محو حیرت دیکھ کر مسکراتی۔ کبھی اس کے سڈول اور سفید بازو سر سے اوپر بلند ہو کر زخم خوردہ سانپ کی طرح پیچ و بل کھاتے۔ کبھی وہ تھرکتی ہوئی آگے بڑھتی اور کبھی پیچھے ہٹتی۔ بعض اوقات وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر آگے اور پیچھے کی طرف اس حد تک جھکتی کہ اس کے بال زمین کو چھونے لگتے۔ غرض وہ اپنی ہر اداسے انا البرق کہہ رہی تھی۔ وہ رقص کرتی ہوئی ایک سنہری پھول دان کے قریب پہنچی اور وہاں سے گلاب کا ایک پھول توڑ کر نعیم کی قریب آئی اور اس کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ نعیم آنکھیں جھکائے بیٹھا تھا۔ رقاصہ کی اس حرکت پر اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اپنے کانوں اور رخساروں پر جلن محسوس کرنے لگا۔ رقاصہ نے پھول کو اپنے ہونٹوں سے لگایا اور پھر دونوں ہاتھوں میں رکھ کر نعیم کو پیش کیا۔ جب نعیم نے آنکھیں اوپر کیں تو رقاصہ نے ہاتھ اور آگے بڑھا دیے، یہاں تک کہ اس کی انگلیاں نعیم کے سینے کو چھونے لگیں۔ نعیم نے اس کے ہاتھ سے پھول لے کر نیچے پھینک دے اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ رقاصہ تلملا کر اپنے ہونٹ کوٹتی ہوئی اٹھی اور نعیم کی طرف ایک لمحہ لے لیے قہر آلود نگاہوں سے دیکھنے کے بعد وہاں سے بھاگی اور ایک دروازے کے ریشمی پردے کے پیچھے غائب ہو گئی۔ حسن آراء کے جاتے ہی رباب کی تانیں بھی بند ہو گئیں۔ اور دربار پر سکوت طاری ہو گیا۔

بادشاہ نے کہا۔ آپ کو شاید رقص و سرور پسند نہیں آیا؟

نعیم نے جواب دیا۔ ہمارے کانوں کو صرف وہی راگ اچھا لگتا ہے جو

تلواروں کی جھنکار سے پیدا ہوتا ہو۔ ہماری تہذیب عورتوں کو رقص کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اب نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ مجھے جانا چاہیے۔ یہ کہہ کر نعیم لمبے قدم اٹھاتا ہوا دربار سے باہر نکلا۔ دروازے پر حسن آراء کھری تھی۔ اُس نے نعیم کو آتے ہوئے دیکھ کر تیوری چڑھائی اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ نعیم بے پروائی سے آگے نکل گیا۔ حسن آراء کو ایک بار پھر اپنی شکست کا احساس ہوا۔

تم بہت حقیر ہو۔ مجھے تم سے بہت نفرت ہے۔ اس نے تاتاری زبان میں نعیم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ لیکن نعیم نے پیچھے مُڑ کر بھی نہ دیکھا اور وہ اپنا سامنہ لے کر رہ گئی۔ جب نعیم دُور چلا گیا تو وہ ہایوں ہو کر واپس مڑی۔ اس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اسے سرنگوں ہو کر چلنا پڑا۔

رات کے وقت نعیم اپنے بستر پر لیٹا سونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ساتھی گہری نیند سو رہے تھے۔ کمرے میں بہت سے شمعیں جل رہی تھیں۔ دن کے واقعات بار بار دماغ میں آکر اسے پریشان کر رہے تھے۔ حسن آراء کے تصور سے اس کے خیالات کی پرواز اسے بار بار نرگس تک لے جاتی تھی۔ ان دونوں کی صورت میں بہت حد تک مناسبت تھی، لیکن فرق صرف اتنا تھا کہ حسن آراء حسین تھی اور اسے اپنے حُسن کا احساس بھی تھا۔ یہ احساس اس خطرناک حد تک غالب آچکا تھا کہ وہ اپنے حُسن سے پورا فائدہ اٹھانے کی خواہش میں پاکیزگی اور معصومیت سے محروم ہو چکی تھی۔ اس کی شکل و صورت میں سادگی کی بجائے تصنع کا پہلو غالب نظر آتا تھا۔ اس کے برعکس نرگس حسن فطرت کا ایک سادہ معصوم اور غیر فانی تصویر تھی۔ نرگس سے آخری بار رخصت ہونے کا منظر اسے بار بار یاد آتا تھا۔ نعیم پر جو چکھ نرگس ظاہر کر چکی تھی وہ اسے بھولا نہیں تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ نرگس کے معصوم دل کی

گہرائیوں میں بے پناہ محبت کا طوفان بیدار کر چکا ہے۔ گزشتہ چند مہینوں میں اس نے کئی بار زرگس کے پاس جانے کا وعدہ پورا کرنے کا ارادہ کیا لیکن یہ ارادہ ہر بار اس کی مجاہدانہ ولولوں میں دب کر رہ جاتے تھے۔ ہر فتح ایک نئی مہم کا دروازہ کھول دیتی اور نعیم ہر نئی مہم کو آخری مہم قرار دے کر زرگس کے پاس جانے کا ارادہ کسی اور بات پر ملتوی کر دیتا تھا لیکن اس بے نیازی کی وجہ فقط یہ بھی نہ تھی۔ اس کی حالت اس مسافر کی سی تھی جو ایک لمبے سفر میں اپنے زاوِ راہ کی قیمتی اور ضروری چیزیں ڈاکوؤں کی نذر کرنے کے بعد اس قدر مایوس ہو جائے کہ اپنا تھوڑا سا بچا ہوا اثاثہ خود ہی زمین پر پھینک کر تہی دست آگے بڑھنے لگے۔ نعیم کے لیے زلیخا کی موت اور عذرا سے ہمیشہ کے لیے جدائی کے بعد اس دنیا میں سکھ چین اور آرام بے معنی الفاظ تھے۔ اگرچہ زرگس سے آخری ملاقات ان الفاظ کو کسی قدر معنی خیز بنا چکی تھی لیکن ان معنوں میں گہرائی اس قدر زیادہ تھی کہ وہ غوطہ لگانے کے لیے بے قرار ہو جاتا۔ وہ زرگس کو جس رنگ میں چاہتا، اس کے لیے قربت یا بعد ایک ہی بات تھی لیکن پھر بھی جب کبھی وہ زرگس کے متعلق سوچتا۔ وہ اسے زندگی کا آخری سہارا نظر آتی اور اس سہارے سے ہمیشہ کی جدائی کا تصور اسے خوفناک محسوس ہوتا۔ اسے بستر پر لیٹے لیٹے خیال آیا کہ خُدا معلوم زرگس کن حالات میں اور کن خیالات کے ساتھ اس کی راہ دیکھتی ہوگی۔ اگر وہ زلیخا یا عذرا کی طرح۔۔۔ نہیں،،، خدا ایسا نہ کرے۔ زرگس کے متعلق ہزاروں توہمات اسے پریشان کرنے لگے اور وہ اپنے دل کو تسلیاں دینے لگا۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ ابتداء میں کسی شاندار کامیابی کا منہ دیکھ چکا ہو تو مایوسی کا خطرناک گھٹاؤں میں بھی امید کے چراغ جلا لیتا ہے۔ لیکن ایسا انسان جو ابتداء میں ناکامیوں کی انتہا دیکھ چکا ہو، اول تو کسی شے کو اپنی امیدوں کا مرکز نہیں بناتا اور اگر بنا بھی لے تو حصولِ مدد کے یقین کے باوجود وہ مطمئن نہیں ہوتا۔ منزل مقصود کی

طرف اس کا ہر قدم اپنے ساتھ ہزاروں خطرات کا تصور لیے بغیر نہیں اٹھتا۔ اور حصول مقصد کے بعد بھی اس کی حالت اس مفلس آدمی کی سی ہوتی ہے جسے راہ میں پڑے ہوئے جواہرات کا انبار مل جانے پر مال دار ہونے کی خوشی کی بجائے دوبارہ لٹ جانے کا ڈر ہو۔ ہزاروں پریشان کن خیالات سے گھبرا کر نعیم نے سو جانے کی کوشش کی لیکن دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد مایوس ہو کر اٹھا اور بے قراری سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے ہو کمرے سے باہر نکلا اور چاند کی دلفریب منظر دیکھنے لگا۔

(۳)

محل کی دوسری جانب ایک خوشنما کمرے میں حسن آراء آنبوس کی کرسی پر بیٹھی اپنے دیوتاؤں سے نعیم کے طرز عمل کا شکوہ کر رہی تھی۔ مروارید اس کی ایک خادمہ اس کے سامنے ایک قالین پر بیٹھی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حسن آراء کے دل میں ابھی تک شکست کے انتقام کی آگ سُلگ رہی تھی۔

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے مجھ سے زیادہ حسین عورت دیکھی ہو؟ یہ سوچتے ہوئے وہ کرسی سے اُٹھی اور دیوار کے ساتھ ایک قدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا عکس دیکھنے کے بعد کمرے میں ٹہلنے لگی۔ مروارید اس کی تمام حرکات کو بغور دیکھ رہی تھی۔

آج آپ سوئیں گی نہیں؟ مروارید نے پوچھا۔

جب تک میں اسے پاؤں میں پڑا ہوا نہ دیکھوں گی مجھے نیند نہیں آئے گی۔ یہ کہہ کر حسن آراء ذرا اور تیزی سے ادھر ادھر گھومنے لگی۔ مروارید اپنی جگہ سے اُٹھی



اور کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ہو کر پائیں باغ کی طرف دیکھنے لگی۔ اچانک اسے باغ میں کوئی شخص گھومتا ہوا نظر آیا۔ اس نے حسن آراء کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے قریب بلایا اور باغ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا دیکھئے! بالکل آپ کی سی بے قراری کے ساتھ کوئی ٹہل رہا ہے۔

حسن آراء نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور جب ٹہلنے والا درختوں کے سائے سے نکلا اور چاند کی پوری روشنی اس کے چہرے پر پڑنے لگی تو حسن آراء نے اسے پہچان لیا۔ وہ نعیم تھا۔ حسن آراء کے کچھے ہوئے چہرے پر ایک تبسم نمودار ہوا۔

مروارید! میں ابھی آتی ہوں۔ یہ کہہ کر حسن آراء اپنے کمرے سے باہر نکلی اور آن کی آن میں باغ میں پہنچ کر ایک درخت کی آڑ میں نعیم کو دیکھنے لگی۔ جب نعیم ٹہلتا ہوا درخت کے قریب پہنچا تو حسن آراء اچانک درخت کی آڑ سے نکل کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی نعیم بھی ٹھنک کر کھڑا ہو گیا اور حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

آپ گھبرا گئے! مجھے افسوس ہے۔

تم یہاں کیسے؟

یہی میں آپ سے پوچھنا چاہتی تھی۔ حسن آراء نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر کہا۔

میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔

خوب! تو آپ کی طبیعت بھی ناساز ہو جایا کرتی ہے۔ میں یہ خیال کرتی تھی کہ آپ ہماری طرح کے انسانوں سے مختلف ہیں۔ میں طبیعت کے ناساز ہونے کی



وجہ پوچھ سکتی ہوں؟

میں یہ ضروری خیال نہیں کرتا کہ تمہارے ہر سوال کا جواب دیا جائے! نعیم نے جانا چاہا۔

حسن آراء نے اپنے ساتھ یہ خیال لے کر آئی تھی کہ نعیم کا رات کے وقت ٹھلنا اس کی چشم فسوں ساز کا کرشمہ تھا لیکن اس کا یہ وہم غلط ثابت ہوا۔ یہ نفرت تھی یا محبت؟ بہر حال حسن آراء جرات کر کے آگے بڑھی اور نعیم کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ نعیم نے دوسری طرف سے گزرنا چاہا مگر اُس نے اس کا دامن پکڑ لیا۔ نعیم نے مُر کر کہا۔ تم کیا چاہتی ہو؟

حسن آراء کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس کا غرور مجاہد کے قدموں پر ٹٹا ہو چکا تھا۔ نعیم نے اس کے کانپتے ہاتھوں سے اپنا دامن چھڑایا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

حسن آراء کچھ دیرو ہیں کھری رہی۔ بالآخر ندامت کا پسینہ پونچھتی اور غصے سے کانپتی ہوئی اپنے کمرے میں پہنچی۔ اپنا چہرہ ایک بار ایک بار پھر آئینہ میں دیکھا اور غصے میں شراب کی ایک صراحی آئینے پر دے ماری۔

وہ جنگلی ہے۔ میں اس کے پاؤں پر کیوں گری؟ یہ کہتے ہوئے وہ پھر ایک بار اسی طرح کمرے میں بے قراری سے ٹھلنے لگی۔ میں اس کے پاؤں پر کیوں گری؟ میں اس کے پاس کیوں گئی؟ یہ کہہ کر اُس نے ٹوٹے ہوئے آئینہ کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اپنے چہرہ دیکھا اور اپنے منہ پر تھپڑ مار کر شیشے کا ٹکڑا نیچے پھینک دیا اور نعیم کے علاوہ تمام دُنیا کو گالیاں دیتی ہوئی بستر پر منہ کے بل گر پڑی اور سسکیاں بھرنے لگی۔

اس واقعے کے ایک مہینہ بعد نعیم نے کاشغر پہنچ کر قتیبہ سے چھ ماہ کی رخصت حاصل کی۔ عرب اور ایران کی چند مجاہدین جو رخصت پر گھر جانے والے تھے۔ اس کے ساتھ سفر میں شامل ہو گئے۔ اس مختصر قافلے میں دقیع، نعیم کا ایک دیرینہ دوست بھی تھا۔ نعیم نے چند منازل طے کرنے کے بعد قافلے سے جدا ہونا چاہا لیکن دقیع نے جسے وہ اپنے دل کا حال بتا چکا تھا، قافلے والوں کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ نعیم کو اس کی منزل مقصود تک چھوڑ کر آگے بڑھیں گے۔

(۴)

زگس پہاڑی کی ایک چوٹی پر بیٹھی اونچے اونچے پہاڑوں کی دلکش مناظر دیکھ رہی تھی۔ زمر! سے نیچے دیکھ کر بھاگتی ہوئی پہاڑی پر چڑھی۔

زگس۔ زگس!!

زگس نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا اور زمر کو آواز دے کر پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

زگس۔ زگس۔ زمر نے قریب آتے ہوئے کہا۔

زگس وہ آگیا۔ تمہارا شہزادہ آگیا۔

اگر اس پہاڑ کی مٹی اچانک سونے میں تبدیل ہو جاتی تو بھی زگس شاید اس قدر حیران نہ ہوتی۔ اسے اپنے کانوں پر شبہ ہونے لگا۔ زمر نے کہا پھر وہی الفاظ دہرائے:

تمہارا شہزادہ آگیا۔ تمہارا شہزادہ آگیا۔

زگس کا چہرہ خوشی سے متما اٹھا۔ وہ اٹھی لیکن دھڑکتے ہوئے دل اور کانپتے

ہوئے جسم پر قابو نہ پا کر پھر ایک بار بیٹھ گئی۔ زمر نے آگے بڑھ کر اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ وہ زمر کے ساتھ لپٹ گئی۔ میرے خواب سچے نکلے! زگس نے لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے کہا۔

زگس! میں ایک اور خوش خبری لائی ہوں!

بتاؤ! زمر دبتاؤ!! اس سے زیادہ اچھی خبر کیا ہو سکتی ہے؟

زگس آج تمہاری شادی ہوگی۔

آج۔۔۔۔۔ نہیں

زگس ابھی!

زگس جلدی سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کا خوشی سے تمننا تھا ہوا چہرہ پھر زرد ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ زمر دایسا مذاق اچھا نہیں۔

نہیں، نہیں، مجھے تمہارے شہزادے کی قسم وہ آگیا ہے۔ اس نے آتے ہی تمہارے متعلق پوچھا تھا۔ میں نے سب کچھ بتا دیا۔ اس کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی ہے اُس نے تمہارے بھائی سے علیحدگی میں کچھ باتیں کیں اور تمہارے بھائی نے مجھے تمہاری تلاش کے لیے بھیجا ہے۔ ہومان آج بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ چلو زگس! زگس زمر کے ساتھ پہاڑی سے نیچے اُتری، زمر بہت تیز چلتی تھی لیکن زگس کے پاؤں ڈگمگا رہے تھے۔ اُس نے کہا زمر! ذرا آہستہ چلو مجھ سے تیز نہیں چلا جاتا۔

گاؤں کے بہت سے لوگ ہومان کے گھر جمع تھے۔ دقیع نے نعیم اور زگس کا

نکاح پڑھایا۔ دولہا اور رُہن پر چاروں طرف سے پھولوں کی بارش ہونے لگی۔

زمر ایک کونے میں کھڑی ہومان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہومان کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ اس نے بوڑھے تاتاری کے کام میں کچھ کہا اور اس نے زمر کے باپ کے پاس آکر اُس سے چند باتیں کیں۔ زمر کے باپ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ہو ہومان کو پکڑ کر خیمے سے باہر لے گیا۔

آج؟ زمر کے باپ نے کہا۔

اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو!

بہت اچھا! میں اپنے گھروالوں سے مشورہ کراؤں۔ یہ کہہ کر زمر دکا باپ اپنے گھر چلا گیا۔ شام سے کچھ دیر پہلے یہ لوگ زمر کے باپ کے گھر جمع تھے۔ ہومان اور زمر دکا نکاح پر جانے کی خدمت بھی دقیع کے سپرد کی گئی۔

جب رُہن ہومان کے گھر لائی گئی اور زمر دکا کو تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع ملا تو زمر دکا نے اپنے چمڑے کی ایک چھوٹی سے صندوقچی کھولی۔

زمر دکا! میں تمہاری شادی پر ایک تحفہ دینا چاہتی ہوں۔ یہ کہتے ہوئے اُس نے صندوقچی سے نعیم کا دیا ہوا رو مال نکال کر زمر دکا کو پیش کیا اور کہا:

اس وقت اس سے زیادہ قیمتی چیز میرے پاس کوئی نہیں۔

زمر دکا نے کہا۔ اگر تمہارا شہزادہ نہ آتا تو اس قدر فیاضی سے کام نہ لیتیں۔

زمر دکا نے زمر دکا کو گلے لگالیا۔ زمر دکا مجھے اپنی خوش نصیبی کا اندازہ کرتے

ہوئے ڈر لگتا ہے۔ آج کے تمام واقعات ایک خواب کی طرح گزر رہے ہیں۔

زمر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اگر یہ واقعی ایک خواب ہوا تو؟

ہم ایسے دلکش خواب کے بعد بیدار ہو کر زندہ رہنا کبھی گوارا نہیں کریں گی۔  
زرگس نے جواب دیا۔

دقیق اور اس کے ساتھیوں نے اس رات وہیں قیام کیا اور صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد سفر کی تیاری کی۔ نعیم نے اسے رخصت کرتے وقت بتایا کہ وہ عنقریب بصرہ پہنچ جائیگا۔

ہومان کے مکان کا وہ کمرہ جس میں نعیم کچھ عرصہ پہلے ایک اجنبی کی حیثیت سے ٹھہرا تھا اب زرگس اور اس کے لیے وقف تھا۔ ایک دوسرے کے پہلو میں دھڑکتے ہوئے دلوں کی داستان بتانے کی ضرورت نہیں۔ نعیم کے لیے یہ بستی ایک جنت تھی۔ اس ماحول میں اسے دنیا کی ہر چیز پہلے سے زیادہ دلچسپ نظر آنے لگی۔ پھولوں کی مہک، ہوا کے جھونکے، پرندوں کے چہچہے، غرض ہر چیز محبت اور سرور کے نغموں سے لبریز تھی۔



## نیا دور

خلیفہ ولید کے عہد حکومت کے آخری ایام میں بحر و اقیانوس سے لے کر کاشغر اور سندھ تک مسلمانوں کی فتوحات کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ تاریخ اسلام کے تین سپہ سالار شہرت اور ناموری کی آخری حدود تک پہنچ چکے تھے۔ مشرق کی طرف محمد بن قاسم دریائے سندھ کے کنارے ڈیرہ ڈالے ہندوستان کے وسیع میدانوں کی تسخیر کی تیاری کر رہا تھا۔

قتیبہ کاشغر کی ایک بلند پہاڑی پر کھڑا اور دربار خلافت سے مملکت چین کی طرف پیش قدمی کے حکم کا انتظار کر رہا تھا۔

مغرب میں موسیٰ کاشغر پرے نیز کی پہاڑیوں کو عبور کر کے فرانس کی حدود میں داخل ہوا چاہتا تھا لیکن ۹۴ھ میں خلیفہ ولید کی وفات اور خلیفہ سلیمان کی جانشینی کی خبر نے اسلامی فتوحات کا نقشہ بدل دیا۔ سلیمان کے دل میں دیر سے خلیفہ ولید اور اس کے اہلکاروں کے خلاف حسد اور انتقام کی آگ سُلگ رہی تھی۔ اس نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی ولید کے منظور نظر سپہ سالاروں کو واپس بلا لیا۔ سلیمان حجاج بن یوسف کیلئے بدترین سزا تجویز کر چکا تھا لیکن وہ اپنی زندگی کا عبرت ناک دن دیکھنے سے پہلے ہی چل بسا۔ حجاج کی موت پر بھی سلیمان کا سینہ ٹھنڈا نہ ہوا اور اس نے چچا کا غصہ بھیتجے پر نکالا۔ محمد بن قاسم کو سندھ سے بلا کر سخت اذیتیں دینے کے بعد مروا ڈالا۔ موسیٰ کی خدمات کا صلہ یہ دیا گیا کہ اس کی تمام جاہد اضبط کر لی گئی اور اس کے نوجواب بیٹے کا سر قلم کر کے اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس سفاکانہ کھیل میں ابن صادق سلیمان کا دایاں ہاتھ تھا۔ اس بوڑھی لومڑی نے طوفانِ حوادث کے

ہزاروں تھپڑے کھائے لیکن ہمت نہ ہاری۔ خلیفہ ولید کی وفات اس کے لیے ایک مڑوہ جانفزا تھا۔ حجاج پہلے ہی راہی ملک عدم ہو چکا تھا۔ اسے عزیز واقارب یا تو قید کر لیے گئے یا موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ اب اسے دنیا میں کسی سے خدشہ نہ تھا۔ وہ کس گوشہ تنہائی سے پھر ایک بار نمودار ہو کر سلیمان کے دربار میں حاضر ہوا۔ سلیمان نے اپنے پرانے دوست کو پہچان کر اس کی بے حد حوصلہ افزائی کی۔ ابنِ صادق چند ہی دنوں میں خلیفہ کے مشیروں کی صفِ اول میں شمار ہونے لگا۔

محمد بن قاسم کے متعلق باقی مشیروں کی رائے تھی کہ وہ بے گناہ ہے اور بے گناہ کا قتل جائز نہیں۔ لیکن ابنِ صادق ایسے مخلص لوگوں کو جو اپنے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔ اس نے محمد بن قاسم کے قتل کو جائز بلکہ ضروری ثابت ہوئے کہا۔ امیر المومنین کے دشمنوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ حجاج کا بھتیجا ہے۔ ایسے لوگوں کو جب بھی موقع ملے گا، خطرناک ثابت ہوں گے!

محمد بن قاسم کے المناک انجام کے بعد موسیٰ کے زخمی دل پر نمک پاشی کی گئی۔ اس کے بعد سلیمان قتیبہ بن مسلم کو دام میں لانے کی تجاویز سوچنے لگا۔ قتیبہ کی شخصیت کا تمام اسلامی ممالک میں احترام کیا جاتا تھا۔ عربی اور ایرانی افواج کے علاوہ ترکستان کی نو مسلم بھی اس پر دل و جان سے شارت تھے۔ سلیمان کو ڈرتھا کہ اگر وہ بگڑ بیٹھا تو ایک طاقت ور حلیف ثابت ہوگا اور بغاوت میں وہ تمام لوگ جنہیں وہ اپنے طرز عمل سے برگشتہ کر چکا ہے، اس کا ساتھ دیں گے۔ اس مشکل سے نجات حاصل کر نیکی کوئی تدبیر اُسکے ذہن میں نہ آئی تو اس نے ابنِ صادق سے مشورہ لیا۔ ابنِ صادق نے کہا:

حضور اسے دربار میں حاضر ہونے کا حکم بھیجیں۔ آجائے تو بہتر ورنہ کئی اور

طریقے عمل میں لائے جاسکتے ہیں۔

کیسے طریقے؟ سلیمان نے پوچھا۔

حضور یہ بات اپنے خادم پر چھوڑ دیں۔ اور مطمئن رہیں کہ اسے ترکستان میں بھی قتل کروایا جاسکتا ہے۔

(۲)

زگس کے ساتھ رہتے ہوئے نعیم نے چند ہفتے ایک سہانے خواب کی طرح گزار دیے۔ ان وادیوں اور پہاڑوں میں فطرت کا ہر منظر ان کے لیے اس کیف اور خواب کی کیفیت کو زیادہ موثر بنا رہا تھا۔ اس خواب کی رنگینی میں محو ہو کر نعیم نے گھر جانے کا ارادہ چند دنوں کے لیے ملتوی کر دیا لیکن اس کے دل کی کیفیت دیر تک یہ نہ رہی۔ ایک دن اس نے نیند سے بیدار ہوتے ہی زگس سے کہا۔ زگس! میں حیران ہوں کہ میں نے اتنے دن یہاں کیونکر گزار دیے۔ اب میرے خیال میں ہمیں بہت جلد رخصت ہو جانا چاہیے۔ ہماری بستی یہاں سے سیکڑوں میل دُور ہے وہاں پہنچ کر تمہارا دل اُداس تو نہ ہو جائے گا؟

اُداس! کاش آپ کو معلوم ہوتا کہ میرے دل میں آپ کا وطن دیکھنے کی کس قدر اشتیاق ہے اور میں اس مقدس خاک کو آنکھوں سے لگانے کے لیے کتنی بے قرار ہوں!

اچھا ہم پرسوں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ نعیم یہ کہہ کر اٹھا اور صبح کی نماز کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ اتنے میں ہومان داخل ہوا۔ اس نے بتایا کہ بستی کا ایک سپاہی بر مک نامی قتیبہ بن مسلم کا پیغام لے کر آیا ہے۔ نعیم قدرے پریشان ہو کر

باہر نکلا۔ برمک گھوڑے کی بات تھا مے کھڑا تھا۔ نعیم کو شک گزرا کی وہ نیک خبر لیکر نہیں آیا۔ نعیم کی طرف سے کسی سوال کا انتظار کیے بغیر برمک نے کہا آپ میرے ساتھ چلنے کے لیے فوراً تیار ہو جائیں!

خیریت تو ہے؟ نعیم نے سوال کیا۔

برمک نے قتیبہ کا خط پیش کیا۔ نعیم نے خط کھول کر پڑھا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

تمہیں سخت تاکید ہے کہ خط ملتے ہی سمرقند پہنچ جاؤ۔ تمہیں یہ حکم ان حالات کے پیش نظر دیا جاتا ہے جو امیر المومنین کی وفات کے باعث پیدا ہو رہے ہیں۔ تفصیلی حالات برمک بتا دے گا۔

نعیم نے حیران ہو کر برمک سے سوال کیا۔ سمرقند سے بغاوت کی خبر تو نہیں آئی۔

نہیں برمک نے جواب دیا۔

تو پھر مجھے سمرقند کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

قتیبہ اپنے تمام جرنیلوں سے کوئی مشورہ کرنا چاہتا ہے۔

لیکن وہ تو کاشغر میں تھے۔

نہیں وہ بعض حالات کی بنا پر سمرقند چلے گئے ہیں

کیسے حالات؟

برمک نے کہا امیر المومنین کی وفات کے بعد ان کے جانشین خلیفہ سلیمان نے

حجاج بن یوسف کے مقرر کیے ہوئے بہت سے افسروں کو قتل کروا دیا ہے۔ موسیٰ بن نصیر کے بیٹے ارو محمد بن قاسم فاتح سندھ کو مروا دیا ہے۔ ہمارے سپہ سالار کو بھی دربار خلافت میں حاضر ہونے کا حکم ملا ہے۔ وہاں جانے میں خطرہ محسوس کرتے ہیں کیونکہ نئے خلیفہ سے بھلائی کی امید نہیں۔ وہ اپنے تمام سالاروں کو جمع کر کے مشورہ لینا چاہتے ہیں۔ اس لیے آپ کو بانے کے لیے مجھے بھیجا ہے۔

نعیم برمک کی گفتگو کا آخری حصہ زیادہ توجہ سے سن سکا۔ محمد بن قاسم کے قتل کی خبر کے بعد اسے باقی گفتگو میں کوئی بات زیادہ اہم محسوس نہ ہوئی۔ اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ برمک تم بہت بری خبر لائے ہو۔ ٹھہرو میں تیار ہواؤں!

نعیم نے واپس جا کر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ زگس اس کا معصوم چہرہ دیکھ کر ہزاروں توہمات پیدا کر چکی تھی۔ جب نعیم نے نماز ختم کی تو اس نے جُرات کر کے پوچھا۔ آپ بہت پریشان ہیں۔ کیسی خبر لایا ہے ہو؟

زگس ہم ابھی سمرقند جا رہے ہیں۔ تم فوراً تیار ہو جاؤ!

زگس کا مغموم چہرہ نعیم کے اس جواب پر خوشی سے چمک اٹھا۔ اس کے دل میں نعیم کے ساتھ رہ کر زندگی کے تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کی جُرات موجود تھی لیکن کسی مصیبت میں اس سے تھوڑی دیر کے لیے جدا ہونا اس کے لیے موت سے زیادہ خوفناک تھا۔ اس کیلئے یہی کافی تھا کہ وہ نعیم کے ساتھ جا رہی ہے۔ کہاں اور کن حالات میں وہ ان سوالات کا جواب پوچھنے سے بے نیاز تھی۔



سمرقند کے قلعے کے ایک کم رے میں قتیبہ اپنے منظورِ نظر سالاروں کے درمیان بیٹھا ان سے باتیں کر رہا تھا۔ کمرے کی دیواروں کے ساتھ چاروں مختلف ممالک کے بڑے بڑے تھے آویزاں تھے۔ قتیبہ نے چین کے نقشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ہم اس وسیع ملک کو چند مہینوں میں فتح کر لیتے۔ لیکن نئے خلیفہ نے مجھے بُرے وقت واپس بلایا ہے۔ تم جانتے ہو وہاں میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟

ایک جرنیل نے جواب دیا۔ وہی سلوک جو محمد بن قاسم کے ساتھ کیا گیا ہے۔! لیکن کیوں؟ قتیبہ نے پر جوش آواز میں کہا۔ مسلمانوں کو ابھی میری خدمات کی ضرورت ہے۔ چین کو فتح کرنے سے پہلے میں اپنے آپ کو خلیفہ کے حوالے نہیں کروں گا۔ قتیبہ نے پھر نقشہ دیکھا شروع کیا۔

اچانک نعیم کمرے میں داخل ہوا۔ قتیبہ نے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا اور کہا افسوس تمہیں بے وقت تکلیف دی گئی۔ اکیلے آئے ہو یا ؟

میں اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے آیا ہوں۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید مجھے دمشق جانا پڑے۔ دمشق؟ نہیں اپلی نے شاید تمہیں غلط بتایا۔ دمشق میں تمہیں نہیں۔ مجھے بلایا گیا ہے۔ نئے خلیفہ کو میرے سر کی ضرورت ہے۔

اسی لیے تو میں وہاں جانا ضروری خیال کرتا ہوں۔

نعیم! قتیبہ نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میں تمہیں اس لیے نہیں بلایا کہ تم میری جگہ دمشق جاؤ۔ مجھے تمہاری جان اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے، بلکہ میں اپنے ہر ایک سپاہی کی جان اپنی جان سے زیادہ قیمتی سمجھتا ہوں۔،

میں تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ تم بہت حد تک معاملہ فہم ہو۔ میں تم سے اور اپنے باقی جہان دیدہ دوستوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے؟ امیر المومنین میرے خون کا پیا سا ہے۔

نعیم نے اطمینان سے جواب دیا۔ خلیفہ وقت کے حکم سے سرتابی ایک مسلمان سپاہی کے شایانِ شان نہیں۔

تم محمد بن قاسم کا انجام جانتے ہوئے بھی مجھے یہ مشورہ دیتے ہو کہ میں دمشق جاؤں اور اپنے ہاتھوں سے اپنا سر خلیفہ کے سامنے پیش کروں؟

میرا خیال ہے خلیفہ المسلمین آپ کے ساتھ اس درجہ بُرا سلوک نہیں کریں گے۔ لیکن اگر یہاں تک نوبت آ بھی جائے تو ترکیستان کے سب سے بڑے جرنیل کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ اطاعت امیر میں کسی سے پیچھے نہیں

تنبیہ نے کہا۔ میں موت سے نہیں گھبراتا لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اسلامی دُناے کو میری ضرورت ہے۔ چین کو فتح کرنے سے پہلے میں اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالنے سے گھبراتا ہوں۔ میں ایک اسیر کی موت نہیں بلکہ ایک بہادر کی موت چاہتا ہوں۔

دربارِ خلافت میں شاید آپ کے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو۔ بہت ممکن ہے وہ دور ہو جائے۔ آپ فی الحال یہیں رہیں اور مجھے دمشق جانے کی اجازت دیں۔

تنبیہ نے کہا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی جان بچانے کے لیے تمہاری جان خطرے میں ڈالوں! تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟

تو آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔

میں یہیں ٹھہروں گا۔ اگر امیر المومنین بلا وجہ میرے ساتھ محمد بن قاسم کا سا سلوک کرنا چاہتے ہیں تو میری تلوار میری حفاظت کرے گی۔

یہ تلوار آپ کو دربار خلافت سے عطا ہوئی تھی۔ اسے خلیفہ کے خلاف استعمال کرنے کا خیال تک دل میں نہ لائیں۔ مجھے وہاں جانے کی اجازت دیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میری بات سنیں گے اور میں ان کی غلط فہمی دور کر سکوں گا۔ میرے متعلق کوئی خدشہ دل میں نہ لائیں۔ دمشق میں مجھے جانے والے بہت کم ہیں۔ وہاں میرا کوئی دشمن نہیں میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے وہاں جاؤں گا۔

نعیم میں اپنے لیے تمہیں کسی خطرے میں پڑنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ یہ آپ کے لیے نہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ امیر المومنین کی حرکات سے اسلامی جمعیت کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں انہیں اس خطرے سے آگاہ کروں۔ آپ مجھے اجازت دیں۔

قتیبہ نے باقی جرنیلوں کی طرف دیکھا اور ان کی رائے دریافت کی۔

ہمیرہ نے کہا۔ تمام عمر کی قربانیوں کے بعد ہمیں زندگی کے آخری دنوں میں باغیوں کی جماعت میں نام نہیں لکھوانا چاہیے۔ نعیم کی زبان کی تاثیر سے ہم تمام واقف ہیں۔ آپ اسے دمشق جانے کی اجازت دیں۔

قتیبہ نے تھوڑی دیر پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سوچنے کے بعد کہا۔ اچھا نعیم، تم جاؤ! دربار خلافت میں میری طرف سے یہ غرض کر دینا کہ میں چین کی فتح کے بعد حاضر ہو

جاؤں گا۔

میں یہاں سے کل صبح روانہ ہو جاؤں گا۔

لیکن تم نے تو ابھی ابھی بتایا تھا کہ تم اپنی بیوی کو ساتھ لائے ہو۔ تم اُسے

!---

میں اسے اپنے ساتھ ہی لے جاؤں گا۔ نعیم نے بات کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ دمشق میں اپنا فرض پورا کرنے کے بعد میں اسے اپنے گھر پہنچا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اگلے دن نعیم اور نرگس دس اور سپاہیوں کے ساتھ دمشق روانہ ہو گئے۔ نعیم نے بعض مصلحتوں کے پیش نظر برک کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔

(۴)

نعیم نے دمشق پہنچ کر ایک سرائے میں اپنے ساتھیوں کے قیام کا بندوبست کیا۔ اپنے لیے ایک مکان کرائے پر لیا اور برک کو نرگس کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر خود خلیفہ کے محل میں حاضر ہوا اور باریابی چاہی۔ وہاں اسے ایک دن انتظار کرنے کا حکم ملا۔ دوسرے دن دربار خلافت میں حاضر ہونے سے پہلے نعیم نے برک سے کہا۔ اگر کسی وجہ سے مجھے دربار خلافت میں دیر لگ جائے تو گھر کی حفاظت کرنا اور جب تک میں نہ آؤں نرگس کا خیال رکھنا۔

اس نے نرگس کو بھی تسلی دی کہ اس کی غیر موجودگی میں گھبرانہ جائے۔ وہاں کوئی خطرناک معاملہ پیش نہیں آئے گا۔